احوال التفاسیر

برائے ایم۔اے (اسلامیات) وطلبأ دینی مدارس

تالیف

ملک غلام حیدر

ایم۔اے اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔اے عربی ایم۔او۔ایل (عربی) ◉ فاضل خیر المدارس ملتان

لیکچرار گورنمنٹ کالج۔ میانوالی

حق سنز (رجسٹرڈ) ۲۸۔ اردو بازار لاہور

احوال التفاسیر

برائے ایم۔اے (اسلامیات) و طلباء

دینی مدارس

— تالیف —

ملک غلام حیدر

ایم۔اے اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔اے عربی ایم۔او۔ایل (عربی)

فاضل خیر المدارس ملتان

لیکچرار گورنمنٹ کالج ——— میانوالی

ناشر

حق سنز (رجسٹرڈ) ۲۸، اردو بازار لاہور

انتساب

اپنے استادِ محترم

جناب علامہ علاؤ الدین صدیقی وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

کے نام

بھرا کرتے نہیں مجروحِ الفت فکرِ درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

قیمت 10/00 روپے

مطبوعہ: نیازی پرنٹنگ پریس لاہور

فہرست مضامین

تقریظ استاذ محترم جامع المعقول والمنقول جناب مولانا محمد موسیٰ خان صاحب شیخ الحدیث والتفسیر جامع اشرفیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

میں نے کتاب ۔ احوال التفاسیر ، مؤلفہ مولانا الاجل مولوی غلام حیدر صاحب لیکچرار گورنمنٹ کالج میانوالی ۔ کے بعض مقامات کا مطالعہ کیا ۔

ماشاء اللہ بڑی مفید کتاب ہے ۔

اس طرز پر اُردو میں کوئی اور کتاب نظر سے نہیں گزری ۔ ایم اے اسلامیات کے طلبہ بلکہ دینی مدارس کے منتعلمین کے لئے بھی یہ کتاب نہایت مُفید ہو گی ۔ بلا ریب ان کے لئے اس کتاب کا مُطالعہ وُسعتِ علمی کا بہترین ذریعہ ہے ۔

اساتذہ وعلماء بھی اس کے مطالعہ سے کافی محفوظ ہوں گے ۔

میں دُعا کرتا ہوں ۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ مؤلف کی یہ سعی قبول فرمائے ۔ اور انہیں مزید دینی وعلمی خدمات کی توفیق بخشے ۔ آمین ۔ ثم آمین

محمد موسیٰ عفی عنہ روحانی بازی

خادم حدیث وتفسیر جامعہ اشرفیہ ۔ لاہور

۲۸ ستمبر ۱۹۷۷ء ۱۲ شوال ۱۳۹۷ھ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

آغازِ کلام

مذاہب عالم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام دُنیا کا واحد مذہب ہے۔ جو اپنی آسمانی کتاب کو مِن وعن اُسی طرح محفوظ کئے ہوئے ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال قبل پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی تھی۔ یہ کتاب ایسی معلومات کا خزانہ ہے۔ جس کے اَسرار و رموز اور عجائبات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ یہ ایسے اصولوں پر مشتمل ہے جو ہر زمانے میں تشریح طلب ہیں۔ یہ کتاب ایسی حکمتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس نے حکماء کو اپنے اندر سے حکمتیں تلاش کرتے کرتے تھکا دیا ہے لیکن اس کی حکمتیں ناحال باقی ہیں۔ یہ ایسے انقلابات کی راہنما ہے جس نے ہر دور میں انقلابیوں کی رہبری کی ہے۔ یہ کتاب ایسی فصیح و بلیغ زبان کی مالک ہے جس نے بڑے بڑے فصحاء وُبلغاء کو چیلنج (CHALLENGE) کیا ہے اس لئے اس کے اسرار و رموز، اس کے اصُول و عجائبات اور اس کی حکمت اور فصاحت کو سمجھنے کے لئے ہر ذکی متبحر عالم نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی حیثیت کے مُطابق جولانی کی ہے۔ اور اپنی کاوشوں کو قلمبند کرکے بعد والوں کے لئے مزید انکشافات کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ تفسیر ہدایت ذات ہجہ پانچسو جلدوں میں، تفسیر القرد ینی تین سو جلدوں میں اور کتاب الاستغناء سو جلدوں میں لکھی گئی تو صاف صاف کہہ دینا پڑتا ہے کہ تاریخ عالم میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں کہ کسی مذہب نے اپنی آسمانی کتاب پر اس قدر عالی توجہ کی ہو۔

زیرِ نظر کتاب "احوال التفاسیر" مفسرین کے انہی کارناموں کی یاد ہے جو انہوں نے تاریخ عالم پر ثبت کئے ہیں۔ بندہ نے اپنی بساط کے مطابق کتاب کو سہل بنانے اور جدید طرز پر تحریر کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اُمید واثق ہے کہ یہ کتاب ایم۔اے اسلامیات کے طلباء کے لئے نہایت ہی مُفید ثابت ہوگی اور طلباء کی سالہا سال کی خواہش کے تقاضے کے عین مُطابق ہوگی۔ خدائے بزرگ و برتر سے دُعا ہے کہ وہ بندۂ ناچیز کی اس کوشش کو کامیاب فرمائے۔ آمین

حیدر ملک عفی عنہ

مقدمہ

اصل کتاب شروع کرنے سے قبل علمِ تفسیر سے متعلق اہم مباحث کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کتاب کو تفسیروں کی قدر و قیمت معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیر کے متعلق علوم کا بھی علم ہو جائے جن کا جاننا ہر صاحبِ علم کے لئے لازمی بلکہ اشد ضروری ہے۔

تفسیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی :

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں تفسیر کا مادہ فَسْر ہے اور " اَلفَسْر کے معنی کسی چیز کی معنوی صفت کو ظاہر کرنے کے ہیں اسی سے تَفْسِرَۃٌ ہے جس کے معنی قارورہ کی تشخیص کے ہیں اور مجازاً قارورہ کو تَفْسِرَۃ کہہ دیتے ہیں۔ التفسیر بھی اَلفَسْر کے ہم معنیٰ ہے مگر اس میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور عرف میں تفسیر کا لفظ کبھی تو مفرد اور غریب الفاظ کی تشریح اور وضاحت پر بولا جاتا ہے اور کبھی خاص کر تاویل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاویل الرؤیا (خواب کی تعبیر) کی بجائے تفسیر الرؤیا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور آیت کریمہ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا (۲۵-۳۳) " اور خوب مشرح" میں بھی تفسیر بمعنیٰ تاویل استعمال ہوا ہے۔"

(مفردات راغب)

علم تفسیر کی تعریف :

کشف الظنون میں ہے

ھو علم باحث عن معنی نظم القرآن بحسب الطاقۃ البشریۃ وبحسب ما تقتضیہ القواعد العربیۃ

ترجمہ : علم تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق اور قواعد عربیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نظم قرآن کے معانی سے بحث کی جاتی ہے۔

اور بعض نے علم تفسیر کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے وعلم التفسیر یُبحث فیہ عن احوال القرآن المجید من حیث دلالتہ علیٰ مراد اللہ تعالیٰ بحسب الطاقۃ البشریۃ

یعنی علم تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن پاک کے حالات سے بحث کی جاتی ہے بایں طور کہ انسانی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مراد سمجھنے پر دلالت کرے۔

علم تفسیر کا موضوع: موضوع پر بحث کرتے ہوئے حاجی خلیفہ کہتے ہیں

وموضوعه كلام الله سبحانه وتعالىٰ الذى هو منبع كل حكمة ومعدن كل فضيلة

ترجمہ، اس کا موضوع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر فضیلت کا معدن ہے۔

تفسیر کی غرض وغایت: اس علم کی غرض نظم قرآن کے معانی کی پہچان ہے اور اس کی غایت معانی قرآن کا فہم وادراک اور اس کے احکام کا استنباط ہے تاکہ ان کے ذریعہ دنیوی اور اُخروی سعادت حاصل کی جائے۔

تفسیر کی اقسام ثلاثہ

تفسیر کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں۔

(۱) تفسیر بالماثور (۲) تفسیر اشاری

(۳) تفسیر بالرائے۔

تفسیر بالماثور: اثر کے معنیٰ نقل کے ہیں تفسیر ماثور اُس تفسیر کو کہا جاتا ہے جس میں قرآن پاک کے الفاظ اور آیات کے معنیٰ کے تعین میں اصل انحصار حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہؓ پر کیا جاتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ "یہ آثار سلف واقوال قدماء کی طرف مستند ہے جس کی شاخیں معرفت ناسخ ومنسوخ واسباب نزول ومقاصد آیات وشرح مجمل قرآنی ہے۔ اس فن کے ائمہ طبری وقتادہ وسدی وابو العالیہ وغیرہم مفسرین ہیں۔ ان میں ابن جریر ابو جعفر طبری نے کہ جن کا انتقال تین سو دس ہجری میں ہوا ہے اپنی کتاب میں کہ جس کو تفسیر ابن جریر کہتے ہیں ان منقولات کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح حافظ ابو بکر عبد اللہ بن ابی شیبہ وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کو جمع کیا مگر رطب ویابس صحیح وغلط ان میں سب کچھ ہے کیونکہ اکثر روایات اُن میں اہل کتاب سے منقول ہیں اس لئے کہ جو اہل کتاب اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے

وہ صحیح و غلط باتیں کہ جو اُن کی کتابوں میں بھری پڑی تھیں نقل کیں لوگوں نے ان کو متبرک سمجھ کر روایت کیا پھر کسی نے ان کو رواج دینے کے لئے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور کسی نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی طرف اور کسی نے کعب احبار اور وہب بن منبہ کی طرف منسوب کر دیا۔ جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور بھی اسی قسم کی ہے اور اس وقت مخالفین یہود و نصاریٰ و ہنود جو کچھ اعتراضات قرآن اور اسلام اور پیغمبرؐ پر کرتے ہیں اُن کی بنیاد انہی لغو روایات پر ہے کہ جن کا اسلام میں کچھ اعتبار نہیں۔ اور قصہ زینب بنت جحش اور تلک الغرانیق العلیٰ اور زمین و آسمان کی کائنات اور زمین کا سات طبقے ہونا اور ہر طبقے میں اسی قسم کی کائنات اور زمین کا بیل کے سینگ پر ہونا اور بیل کا مچھلی پر ہونا اور اس کے ہلنے سے زلزلہ آنا اور یاجوج ماجوج کا ایک کان ایسا اور ایک کان ایسا ہونا اور زہرہ کا قصہ وغیرہ ذلك من الاسرائیلیات سادہ لوح محدثوں کی خوش اعتقادی ہے اور بس ...... اس قسم کی وہ غلط اور لغو باتیں اُن راویوں نے ملائی ہیں کہ جن سے اصل مدعاء قرآن کو بھی الٹ پلٹ کر دیا خدا محققین کو جزائے خیر عطا کرے۔ انہوں نے کھرا اور کھوٹا پرکھا اور لغو اور بے اصل باتوں کو کتب تفاسیر سے خارج کیا۔ متاخرین میں سے ابو (محمد بن) عطیہ مغربی اور قرطبی اور ابن الجوزی وغیرہم نے بھی بہت کچھ چھان بین کی ہے اس بارے میں محققین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شان نزول و توجیہ مشکل کے بارے میں جو کچھ بخاری اور ترمذی اور حاکم نے بسند صحیح نقل کیا ہے بہت درست ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو کچھ ابن ابی طلحہ اور ضحاک نے روایت کیا ہے اور پھر وہ روایت بسند صحیح بخاری وغیرہ محققین تک پہنچی ہیں نہایت صحیح ہے

(مقدمہ تفسیر حقانی جلد اول ص ۱۰۷)

اس مکتب خیال کو بعض صحابہؓ اور تابعین کے اس نقطۂ نظر سے کہ وہ قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی طرف سے کچھ کہنے سے اجتناب برتتے تھے بڑی اخلاقی مدد ملی۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عبیدہ بن قیس سے ایک آیت کے معنیٰ پوچھے گئے انہوں نے جواب میں کہا وہ لوگ جو قرآنی آیات کے شان نزول سے واقف تھے وفات پا گئے ہیں"۔
(الطبری مؤلفہ ڈاکٹر احمد محمد الحوفی ص ۱۰۱ مصر) اسی طرح جب سعید بن جبیرؒ سے قرآن کی تفسیر لکھنے کے لئے درخواست کی گئی تو انہوں نے ناراض ہو کر کہا "ان تقع شقی

خیر من ذلک" (قرآن کی تفسیر لکھنے سے بہتر ہے کہ میرے جسم کا ایک حصہ مجھ سے علیحدہ ہو جائے) درحقیقت ان بزرگوں کا یہ عمل خوف خدا کی وجہ سے تھا کہ مبادا ان سے اس کی کتاب کی تفسیر میں کوئی غلطی ہو جائے اور وہ غضب الٰہی کے مستحق بن جائیں۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ ان بزرگوں کا یہ نقطۂ نظر قرآن مجید کی ان آیات کے بارے میں تھا جکا شمار محکمات میں ہوتا ہے جہاں تک قرآن کی) متشابھات کا تعلق ہے وہ لوگ اُن پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ابن صبیغ کو اس بنا پر سزا دی تھی کہ انہوں نے قرآن کی آیات متشابھات پر بحث کی تھی اور جب وہ سزا کے باوجود بھی باز نہ آئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں مدینہ سے بصرہ شہر بدر کر دیا تھا۔ اور وہاں کے ابو موسی اشعریؓ کو ہدایت کی کہ جب تک ابن صبیغ اپنی اس حرکت سے باز نہ آجائیں انہیں کسی مسلمان سے ملنے کی اجازت نہ دی جائے۔۔۔۔

تفسیر بالروایت کے سلسلہ میں دوسری صدی ہجری میں ابن جریج مقاتل بن سلیمان اور سفیان ثوری نے کچھ لکھا۔ ابن جریج کی یہ تحریریں ثواب میں نہیں ملتیں لیکن سفیان ثوری کی تفسیر حال ہی میں ہندوستان میں چھپی ہے اُنہوں نے مکمل تفسیر میں قرآن پاک کی سیدھی سادھی توضیح کی ہے اس میں صحابہ کی مخصوص سادگی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ سفیان ثوری کے اقوال میں کہیں کہیں اُن کے دور کی خصوصیت جھلکتی ہے۔ مثال کے طور پر ان کا ایک قول ہے کہ "قرآن غیر مخلوق ہے اور جو اس پر اعتقاد نہیں رکھتا وہ مومن نہیں ہے لیکن پھر بھی اُنہوں نے اپنی تفسیر میں کلامی بحثوں کو دخل ہونے کی اجازت نہیں دی"

(رشید احمد جالندھری علم تفسیر اور مفسرین ص۲۱)

ایک اشکال اور اس کا حل ،

یہاں پر ایک بہت بڑا اشکال لازم آتا ہے کہ تفسیری روایات اگر مستند اور قابل اعتنا ہوتیں تو امام احمد بن حنبلؒ جیسے محدث یہ نہ فرماتے۔

ثَلَاثَۃٌ لَیْسَ لَہَا اَصْلٌ اَلتَّفْسِیْرُ وَ الْمَلَاحِمُ وَ الْمَغَازِیْ (الطبری ڈاکٹر محمد احمد الحوفی ص۱۴۰)

کہ تین قسم کی کتابیں یا روایات بالکل بے بنیاد ہیں تفسیر[۱] ملاحم[۲] اور مغازی[۳] مگر خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ اس قول سے امام احمد بن حنبلؒ کے پیش نظر خاص قسم کی روایات یا کتابیں ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اَمَّا کُتُبُ التَّفْسِیْرِ فَمِنْ اَشْہَرِہَا کِتَابَا الْکَلْبِیِّ وَ مُقَاتِلِ

بْنِ سُلَیْمَانَ وَقَدْ قَالَ أَحْمَدُ فِیْ تَفْسِیْرِ الْکَلْبِیِّ مِنْ أَوَّلِہٖ إِلٰی آخِرِہٖ کَذِبٌ ۔ ورنہ تو امام احمد بن حنبلؒ نے تفسیری روایات پر مشتمل ایک صحیفہ کی خود تحسین فرمائی ہے اور اس کے حصول کی ترغیب دی ہے۔

ایک اہم مبحث : بعض علمائے تفسیر مرفوع تفسیر کو تو حجت مانتے ہیں بشرطیکہ صحت کے ساتھ ثابت ہو مگر ان کا کہنا ہے کہ اس نوع کی تفسیر نہایت قلیل ہے اور اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے احتجاج کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔

مَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفَسِّرُ شَیْئًا مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا آیًا بِعَدَدٍ عَلَّمَہُنَّ إِیَّاہُ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ (تفسیر ابن کثیر ص ۶ ج ۱ مطبوعہ مصر) (مسند بزاز)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گنتی کی چند آیات کے علاوہ قرآن کی تفسیر نہیں فرماتے تھے جو انہیں جبرئیل علیہ السلام نے سکھلائی تھی۔

اسی طرح امام سیوطیؒ اس موضوع پر بحث کے دوران میں لکھتے ہیں

اَلَّذِیْ صَحَّ مِنْ ذٰلِکَ قَلِیْلٌ جِدًّا بَلْ أَصْلُ الْمَرْفُوْعِ مِنْہُ فِیْ غَایَۃِ الْقِلَّۃِ

یعنی حقیقتاً مرفوع تو نہ ہونے کے برابر ہے اسی لئے قرآن کی تفسیر میں حدیث کو مستقل رکن کی حیثیت دینا اور ہر آیت کی تفسیر میں احادیث مناسبہ کو پیش کرنا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا مگر آیات قرآنیہ اور دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ جس طرح صحابہ کے سامنے پورے قرآن کی تلاوت فرمائی ہے۔ اسی طرح اُن کے سامنے قرآن کے مطالب و معانی بھی بیان کئے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ سورۂ نحل کی تبیین کو آنحضرت کے فرائض سے قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اور اُن کے بالتبع دوسرے علماء کا بھی یہی رجحان ہے۔

ابو عبدالرحمٰن السلمی (عبداللہ بن حبیب تابعی ۷۲ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ جو ہمیں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، کا بیان ہے کہ "جب ہم آنحضرت سے دس آیات کی تعلیم حاصل کر لیتے تو جب تک ان کے معنی و مفہوم کو پوری طرح ذہن نشین نہ کر لیتے اور پھر عملی طور پر اپنا نہ لیتے ان سے تجاوز نہ کرتے چنانچہ صحابہ کرامؓ کا بیان ہے ہم نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی سیکھا ہے

جو لوگ مرفوع تفسیر کے نہایت قلیل ہونے کے قائل ہیں اُن کا حضرت عائشہ

کی مذکورہ روایت سے استدلال نہایت ہی مضحکہ خیز ہے اولاً تو حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہی غریب اور منکر ہے اس کی سند میں ایک راوی محمد بن جعفر زبیدی ہے جس پر امام بخاری اور دیگر ائمہ رجال نے جرح کی ہے خود امام طبری اُن کے متعلق لکھتے ہیں۔
انہ ممن لایعرف فی اھل الآثار
اور پھر یہ روایت واقعات کے بھی خلاف ہے اور پھر بشرط صحت اس میں تاویل کی گنجائش ہے یعنی حضرت عائشہؓ کی مراد قرآن کی تفسیر کا وہ حصّہ ہے جس کا تعلق مغیبات سے ہے مثلاً قیامت کے وقت کا علم وغیرہ جس کی تعیین کا اظہار مشیت الٰہی کے خلاف تھا جبکہ آنحضرتؐ نے جبریل علیہ السلام کے جواب میں " ما المسؤل عنھا باعلم من السائل کے جملہ سے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ نیز امام طبری نے ابن عباس سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔
تفسیر چار قسم پر ہے ایک قسم تو وہ ہے جسے عرب اپنے محاورات کی روشنی میں سمجھ لیتے اس نوع کی تفسیر کے بیان کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری قسم وہ تفسیر ہے جس سے جہل کسی کو معاف نہیں تیسری قسم کی تفسیر وہ ہے جسے علماء ہی جان سکتے ہیں اور چوتھی قسم وہ ہے جو علم الٰہی کے ساتھ خاص ہے اور انسان اس کا ادارک نہیں کر سکتا۔
الغرض قرآن کی تفسیر و تشریح بھی آنحضرتؐ نے فرمائی ہے جو کہ کُتب احادیث وسنن میں محفوظ ہے اسی بنا پر علماء نے قرآن وسنت کو لازم وملزوم قرار دیا ہے اور سنت کو بھی وحی کا حصہ قرار دیا ہے امام اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے بیان کیا ہے۔
" آنحضرتؐ پر قرآن کی وحی نازل ہوتی پھر حضرت جبریل علیہ السلام قرآن کی تفسیر کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں سنت لے کر حاضر ہوتے" یہی امام اوزاعی " مکحول" سے روایت کرتے ہیں۔

اَلْقُرْآنُ اَحْوَجُ اِلَی السُّنَّۃِ مِنَ السُّنَّۃِ اِلَی الْقُرْآنِ

کہ قرآن اپنی تشریحات کے لئے جس قدر سنت کا محتاج ہے۔ سنت کے مطالب کی وضاحت کے لئے قرآن کی اتنی ضرورت نہیں ہے خود آنحضرتؐ نے " الا انی اوتیت القرآن ومثلہ" فرما کر سنت کے اصل مقام کی وضاحت فرمادی ہے کہ سنت میں مزید احکام بھی ہیں جو قرآن میں بطور نص مذکور نہیں ہیں۔

تفسیر اشاری تفسیر اشاری کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تاویل اس کے ظاہری معنی کے علاوہ کسی ایسے معنی سے کی جائے جس کی بنیاد کوئی ایسا مخفی اشارہ ہو جو ارباب سلوک و تصوف پر منکشف ہوا ہو ان دونوں (تاویل میں جو معنی بیان ہوئے اور ظاہری مراد) کو جمع کرنا بھی ممکن نہ ہو۔

صاحب مناہل العرفان لکھتے ہیں کہ علماء کے درمیان اس طرح کی تفسیر کے جواز و عدم جواز کی بابت اختلاف ہے بعض حضرات نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور کچھ لوگ اسے ناجائز کہتے ہیں ہم یہاں اقوال علماء سے کچھ اشارات درج کر رہے ہیں تاکہ تم صحیح فیصلہ کر سکو۔

زرکشی نے اپنی کتاب "البرھان فی علوم القرآن" میں کہا ہے کہ تفسیر قرآن سے متعلق صوفیہ کے کلام کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ وہ تفسیر ہے ہی نہیں بلکہ وہ ایسے مطالب اور معانی ہیں جن کی طرف تلاوت کرتے وقت اُن کا ذہن منتقل ہو جاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے ارشاد یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ کے بارے میں بعض صوفیاء کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نفس سے جنگ کرو۔ ان کا خیال یہ ہے من یلینا (جو ہم سے قریب ہے) سے جنگ کے حکم کی علت قُرب ہے اور انسان سے قریب ترین چیز اس کا نفس ہے۔

پھر صاحب مناہل لکھتے ہیں کہ

"سیوطیؒ نے اتقان میں ابن عطاء اللہ کی کتاب "لطائف المنن" کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس گروہ صوفیا نے اللہ کے کلام اور اللہ کے رسولؐ کے کلام کی تفسیر میں جو غریب معانی بیان کئے ہیں وہ ایسی تفسیر نہیں ہیں کہ ظاہر (قرآن) کو اس کے ظاہری معنیٰ سے پھیر دیا ہو بلکہ اس باب میں ان کا موقف یہ ہے کہ ظاہر آیت کا تو وہی مفہوم ہے جس کے لئے آیت وارد ہوئی ہے اور جس پر عرف لسانی کے مطابق وہ آیت دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کچھ باطنی اسرار ہیں جن کو آیت و حدیث سے وہ شخص سمجھتا ہے جس کا سینہ اللہ نے کھول دیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ لہذا ایسا نہ ہو کہ تم کو ان معانی کے حاصل کرنے سے کسی مناظر اور معترض کی غوغا آرائی باز رکھے کہ یہ اللہ کے کلام اور رسول کے کلام کی مراد بدل دینا

ہے۔ کیونکہ یہ بدلنا نہیں ہے۔ بدلنا تو اس وقت ہوتا ہے جب یہ لوگ اس کا دعویٰ کرتے کہ آیت کے معنیٰ بجز اس کے کچھ نہیں ہیں اور وہ یہ نہیں کہتے بلکہ وہ تو ظواہر کو اُن کے ظاہر ہی کے مطابق پڑھتے اور اُن سے وہی مراد سمجھتے ہیں جس پر ظاہر الفاظ دلالت کرتے ہیں البتہ مزید برآں جو کچھ اللہ نے سمجھایا اُسے بھی سمجھتے ہیں۔"

(یہ عبارت الاتقان میں صفحہ ۱۸۵ ج ۲ پر مرقوم ہے)

صاحب مناہل العرفان کتاب کے صفحہ ۵۴۹ میں تفسیر اشاری پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے قابل قبول ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط بیان کرتے ہیں

نمبر۱ : نظم قرآن کے معنیٰ سے جو بات ظاہر ہو، اُس کے منافی نہ ہو۔

نمبر۲ : اس بات کا دعویٰ نہ کیا گیا ہو کہ اس سے مراد بس یہی ہے اور ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہیں۔

نمبر۳ : ایسی دور از کار تاویل نہ ہو جو کھینچ تان کر زبردستی پیدا کی گئی ہو جیسے کسی نے اللہ کے قول اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ لَمَعَ فعل ماضی ہے اور المحسنین اس کا مفعول (اللہ نے محسنین کو روشن کر دیا)

نمبر۴ : کوئی شرعی یا عقلی امر اُس کے معارض نہ ہو۔

نمبر۵ : اس کی تائید و استشہاد کے لئے کوئی شرعی بنیاد ہو۔

ان شرطوں پر پوری اُترنے کے بعد تفسیر اشاری ظاہر قرآن کے منافی نہیں رہتی۔

تفسیر بالرائے :

حدیث میں ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَاْیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ (ترمذی)

ترجمہ : جس نے قرآن (کی تفسیر) میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور (اتفاق سے) اس کی بات صحیح نکلی تو بھی اُس نے غلطی کی۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (ابوداؤد۔ ترمذی)

ترجمہ : جس نے قرآن (کی تفسیر) میں علم کے بغیر کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

پہلی حدیث کی صحت میں محدثین کو کلام ہے اور دوسری حدیث صحیح ہے ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا ناجائز ہے گناہ کبیرہ ہے لیکن ساتھ

ہی یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ہر ہر آیت کی تفسیر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں حالانکہ ہر آیت کی تفسیر میں کسی نہ کسی صحابی، تابعی یا تابع التابعی سے کوئی نہ کوئی قول ضرور منقول ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور درمنثور سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن آیتوں کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں صحابۂ کرام تابعین اور دیگر ائمہ اسلام نے اپنی رائے اور اجتہاد سے ایسی آیتوں کی تفسیر فرمائی اس سے ثابت ہوا کہ تفسیر بالرائے والاجتہاد مطلقاً ناجائز اور حرام نہیں ہے۔ ذیل میں مفسرین کرام کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ کس مفہوم سے تفسیر بالرائے ناجائز اور حرام ہے۔

علامہ قرطبی اندلسی المتوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ

”کسی معاملہ میں اس کی ایک رائے ہو اور اس کی جانب خواہش نفس کی بنا پر اس کا طبعی میلان ہو اور وہ اپنی رائے اور خواہش کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے تاکہ اپنی غرض (فاسد) کی صحت پر استدلال کر سکے۔ (قرطبی ج ۱ ص۳۲ مصر)

علامہ خازن رقمطراز ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ اَلنَّهْيُ عَنِ الْقَوْلِ فِي الْقُرْآنِ بِالرَّأْيِ اِنَّمَا وَرَدَ فِي حَقِّ مَنْ يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ عَلٰى مُرَادِ نَفْسِهٖ وَهُوَ تَابِعٌ لِهَوَاهُ (تفسیر خازن ص۶ ج ۱ مصر)

علما نے فرمایا ہے کہ تفسیر بالرائے سے ممانعت اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو اپنی خواہش نفس کے مُطابق تفسیر کرے اور وہ اپنی خواہش کا متبع ہو۔

اسی لئے مفسر ابو حیان اُندلسی کا قول ہے

”جس نے غور و فکر سے کام لیا اور علم و نظر کے اصولوں کے مُطابق قرآن کی تفسیر کی وہ اس حدیث میں داخل نہیں اس کی تفسیر تفسیر بالرائے نہیں ہوگی اور نہ خطا کی طرف منسوب ہوگی۔“ (ماخوذ از جواہر القرآن ص۲۲ مطبوعہ لاہور) علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے

”اوّل لغت جس سے کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جاویں مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُس کو جائز نہیں کہ بدوں معرفت لغات عرب کے کلام پاک میں کچھ لب کشائی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں

اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

دوسرے نحو کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔

تیسرے صرف کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ بنا اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ جس شخص سے علم صرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ زمخشری اُعجوبات تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کلام پاک کی آیت يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (ترجمہ) جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اُس کے مقتدا اور پیشرو کے ساتھ۔ اس کی تفسیر صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اُس کی ماؤں کے ساتھ۔ امام کا لفظ جو مفرد تھا۔ اُس کو اُم کی جمع سمجھ گیا۔ اگر وہ صرف سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُم کی جمع امام نہیں آتی۔

چوتھے اشتقاق کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ لفظ جبکہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے جیسا کہ مسیح کا لفظ ہے اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مساحت سے بھی ہے جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔

پانچویں علم معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

چھٹے علم بیان کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کہ کلام پاک جو سراسر اعجاز ہے اسی سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

آٹھویں علم قرأت کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ مختلف قرأتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں۔ اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہو جاتی ہے۔

نویں علم عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی

بھی ہیں جن کے ظاہری معنیٰ کا اطلاق حق سبحانہ وتقدس پر صحیح نہیں اس لئے ان میں کسی تادیل کی ضرورت پڑے گی جیسے ید اللہ فوق ایدیھم۔

دسویں اصول فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جس سے وجوہ استدلال واستنباط معلوم ہوسکیں۔

گیارہویں اسباب نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شان نزول سے آیت کے معنیٰ زیادہ واضح ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنیٰ کا معلوم ہونا بھی شانِ نزول پہ موقوف ہوتا ہے۔

بارہویں ناسخ ومنسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمول بھا سے ممتاز ہوسکیں۔

تیرہویں علم فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

چودہویں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآن پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

ان سب کے بعد پندرہواں وہ علم وہبی ہے جو حق سبحانہ وتقدس کا عطیۂ خاص ہے۔ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ بما علم ورثہ اللہ عِلْمَ مالم یعلم (جبکہ بندہ اُس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔

یہ علوم جو بیان کئے گئے ہیں مفسّر کے لئے بطور آلہ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔

(الاتقان ج دوم صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۲ مطبوعہ مصر

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے تب بنے گی جب کوئی شخص جو کسی گمراہ فرقہ سے متعلق ہو اپنی گمراہی اور بدعت پر قرآن کی آیتوں سے استدلال کرے۔ لیکن اگر ایک شخص علوم تفسیر حدیث، لغت، صرف ونحو اور علم معانی وبیان کا متبحر عالم ہو اور صحیح العقیدہ (ORTHODOX) ہو اگر وہ قرآن مجید کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرے جو اسلام کے مسلّمہ اصول وعقائد کے عین مُطابق ہو اور قواعد زبان سے بھی پوری موافقت رکھتا ہو۔

تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل نہیں ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں
"جس نے قرآن کی تفسیر میں لغت اور شریعت کے اعتبار سے اپنے علم کے مطابق گفتگو کی اس پر کوئی حرج نہیں اسی لئے ان (سلف) سے اور بعد کے علماء سے تفسیر میں بہت سے اقوال منقول ہیں۔
امام غزالیؒ نے اصحاب روایت کے نقطہ نظر کی کمزوری کی نشاندہی کی ہے وہ کہتے ہیں۔
(الف) اصحاب روایت کا یہ دعویٰ ہے کہ تفسیر کا انحصار صرف نقل پر ہونا چاہئے اور یہ کہ استنباط اور عقل ورائے کا اس میں دخل نہ ہو تو اس صورت میں انہیں تفسیر میں ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کے اقوال بھی رد کر دینے چاہیں کیونکہ یہ اقوال اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہوتے۔
(ب) بعض آیتوں کی تفسیر میں صحابہؓ اور مفسرین میں کافی اختلاف تھا اس لئے یہ ناممکن ہے کہ تفسیر کی یہ مختلف روایات رسول اللہ صلعم کی طرف سے ہوں۔ اس صورت میں اصحاب الروایت کو چاہئے کہ وہ سوائے ایک روایت کے جس کے بارے میں تعین ہو کہ وہ آپؐ کی طرف سے ہے باقی سب کو رد کر دیں۔
(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ اسے دین کا صحیح فہم اور آیات کی تفسیر و تاویل کا علم عطا کر۔" اگر قرآن کی تاویل روایات پر ہی مبنی تھی تو پھر آپؐ کی ابن عباسؓ کے لئے دعا فرمانے کے کیا معنیٰ؟
(د) خود قرآن میں ایک جگہ اہل علم کی استنباط کی صلاحیتوں کی تعریف کی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استنباط روایت سے الگ چیز ہے۔
ان دلائل سے امام غزالیؒ نے ثابت کیا ہے کہ تفسیر بالرائے کے بارے میں جو ممانعت آئی ہے اصحاب الروایت اس کی صحیح تعبیر نہیں کر پاتے۔
غرض امام غزالیؒ نے تفسیر میں عقل ورائے کی ضرورت پر خاص زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں " دانّ المنقول من ظاهر التفسير ليس منتهى الادراك فيه"
یعنی ظاہری تفسیر میں جو کچھ مروی ہے وہ عقل کا منتہا نہیں ہے" جہاں تک اصحاب عقل ورائے کا بالعموم اور معتزلہ کا بالخصوص تعلق ہے وہ عقلی استدلال کو علم کا ایک بنیادی ماخذ

قرار دیتے ہیں اور محض نقل و تقلید کو انسانی وقار کی توہین سمجھتے ہیں۔ الزمخشری (م ۵۳۸ھ ۱۱۴۳ء) اس قسم کی نقل و تقلید کی مخالفت میں پیش پیش ہیں۔ وہ اصحاب الروایت کے نقطۂ نظر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک آدمی جس کے پاس اپنی بات کا عقلی ثبوت ہے وہ اپنی کچھار میں بیٹھے ہوئے شیر سے کہیں زیادہ قابل عزت ہے اور ایک مقلد اور نقال ایک خارش زدہ بکری سے زیادہ قابل نفرت ہے۔"

وہ عقلی استدلال کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"علم کی مثال ایک شہر کی ہے جس میں اندر جانے کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ عقل و استدلال کا ہے اور دوسرا روایت کا۔"

جہاں تک اصحاب عقل و رائے کا تعلق ہے وہ عقل کو اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ سمجھتے ہیں جس سے اس کی کتاب کے مطالعہ میں کام لینا چاہیئے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی ہے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیر القرآن کے متعلق بہت کم روایتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ " واقعہ یہ ہے کہ آپؐ صحابہ کو تاکید فرماتے تھے کہ وہ قرآن میں تدبر کریں اور جب ان میں سے کوئی قرآن کی تعبیر کرتا ہے اور وہ آپؐ کو پسند آتی تو آپؐ اس کی تائید فرماتے" لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ اس سلسلے میں آپ سے جو احادیث مروی ہیں اصحاب عقل و رائے ان کا پورا احترام نہیں کرتے یا صحابہ کرامؓ کا دین اسلام کی نشر و اشاعت میں جو تاریخی کردار ہے اس سے وہ غافل تھے۔ البتہ اس ضمن میں وہ تابعین کی آراء کو کم اہمیت دیتے تھے اس بارے میں امام غزالیؒ کا قول ہے کہ

" وہ بھی ہماری طرح انسان تھے "

تاریخ تفسیر

قرآن پاک کی تفسیر اتنی ہی پرانی تاریخ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جس قدر خود قرآن پاک۔ اس لئے کہ جب سے قرآن پاک کا نزول شروع ہوا اس کے مطالب و معانی کی وضاحت کی ضرورت پڑی اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں آنحضرت کی باقی ذمہ داریوں کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں آپؐ کو بحیثیت مفسر قرآن کے بھی بیان فرمایا ہے۔

آنحضرت بحیثیت مفسر : چنانچہ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ "نبی نے اپنے اصحاب کو جس طرح قرآن کے لفظ بتائے اُسی طرح قرآن کے معانی بھی بتائے ہیں کیونکہ آیت " لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل ، ۶۴) (تاکہ بیان کرو تم لوگوں کے لئے اُس کتاب کو جو اُن کی طرف اُتاری گئی ہے) کے حکم میں یہ دونوں باتیں داخل ہیں۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کا قول ہے کہ جن لوگوں نے ہمیں قرآن پڑھایا مثلاً عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے وہ ہم سے کہتے تھے کہ "جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتوں کی تعلیم حاصل کر چکتے تھے تو اُس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک اُن آیتوں کا علم و عمل مکمل نہ کرلیں۔ اس طرح ہم نے علم و عمل دونوں کی تعلیم حاصل کی"۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سورۃ کے حفظ میں ان بزرگوں کو ایک مدت لگ جایا کرتی تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ فرمایا کرتے تھے "ہمارا کوئی آدمی جب سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہماری نگاہوں میں بڑا بن جاتا تھا"۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سورۂ بقرہ کے حفظ میں کئی سال لگ گئے تھے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ آٹھ سال لگ گئے تھے"۔ (ابن تیمیہ۔ اصول تفسیر مترجم ص ۱۷، ۱۸ لاہور)

عہد نبوت میں اسوۂ نبویہ بمنزل تفسیر قرآن کے تھا مطلب یہ کہ آپ کا ہر ارشاد اور آپ کا ہر عمل قرآن کی تفسیر و تشریح تھا۔ اس لئے کہ رسول اللہ کی حیات طیبہ محض ایک بشر کی زندگی نہ تھی بلکہ دراصل وہ آیات قرآنیہ کی چلتی پھرتی تصویر تھی۔ قرآنی ہدایات و تعلیمات

کے متشکل ہوجانے کا نام اسوۂ رسولؐ ہے اور اسوۂ رسولؐ کا دوسرا نام تفسیر قرآن ہے۔

سچ پوچھئے تو مفسرین قرآن کے لئے سنتِ رسولؐ جہاں معلم اعلیٰ، مخبر صادق اور زندگی بخش تفسیر ہے وہاں وہ ان کے حق میں ایک زبردست محتسب (CENSOR) بھی ہے وہ انہیں بے راہ روی سے قدم قدم پر روکتی ہے۔ اور استاد بھی ہے کہ اصلی اور صحیح تفسیر، عملی اور روح والی تفسیر سکھاتی ہے۔ یہ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کا جو مفہوم اس مقدس ہستی کے دماغ نے سمجھا جس کے قلب پر قرآن نازل ہوا۔ اس کی صحت میں اگر کسی کو شک ہو تو کس عقل مند کو اُس شک کرنے والے کے بے عقل ہونے میں شک ہوسکتا ہے۔

علامہ ثعالبی کا بیان ہے کہ

"عرب اپنے عہد جاہلیت میں اپنی زبان و بیان اور آداب و اخلاق میں بھی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم اور کاربند تھے۔ جب دُنیا میں اسلام آیا تو جہاں اور انقلابات آئے اور حالات بدلے وہیں ان کی زبان بھی انقلابات (و تغیرات) سے نہ بچ سکی چنانچہ عربی زبان کے الفاظ اپنے دیرینہ معانی اور مصادیق کے بجائے نئے نئے معانی اور مصادیق میں استعمال ہونے لگے۔ اُن کے مفہوم اور مصداق کی نئی نئی تعبیریں اور تشریحیں ہونے لگیں اُن میں نو بنو شرعی تعبیرات اور ان کے شرائط و اوصاف کے اضافے ہونے لگے مثلاً اسلام کے آنے کے بعد مومن کافر فاسق اسی طرح صلوٰۃ، رکوع، سجود، زکوٰۃ، صوم حج وغیرہ کے معنیٰ اور مصداق بالکل تبدیل ہوگئے۔ چنانچہ اہل عرب مومن کو امن و امان سے ماخوذ بمعنیٰ امن دینے والا جانتے تھے۔ اور مسلم کو اسلام بمعنیٰ سپرد کردن سے ماخوذ سپرد کردینے والا، اور کافر کو کفر بمعنیٰ چھپا دینا سے ماخود چھپا دینے والا کے معنیٰ میں استعمال کرتے اور جانتے پہچانتے تھے اسلامی شریعت نے ان الفاظ کے معانی اور مصادیق میں نئے نئے اوصاف اور شرائط کا اضافہ کردیا اور مخصوص و متعارف شرعی معنیٰ میں استعمال کردیا (جس کی تفصیل قولی و فعلی تعلیمات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بیان کی گئی ہے) اس طرح اہل عرب لفظ صلوٰۃ کو دعا کے معنیٰ میں استعمال کرتے تھے اسلامی شریعت نے اس لفظ کو ایک مخصوص عبادت کے معنیٰ میں استعمال کیا جو ایک خاص ہیئت کے ساتھ متعیّن ارکان و رکعات اور مقررہ وقتوں میں مخصوص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔"

علامہ ثعالبی کے بیان کے مطابق ان الفاظ کے یہ بدلے ہوئے جدید معانی و مصادیق اور ان کی تفصیلات یقیناً رسول اللہؐ نے ہی اپنے قول و فعل کے ذریعہ بتلائی ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کے یہ تمام اقوال و افعال قرآن پاک کی تفسیر ہیں۔ بلکہ امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم بھی دیا ہے وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ اسی لئے رسول اللہؐ نے فرمایا ہے" معلوم ہے کہ مجھے قرآن بھی بخشا گیا ہے اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی" اور یہ مثلِ قرآن سنّت ہے۔ سنّت بھی نازل ہوتی تھی البتہ قرآن کی طرح اُس کی تلاوت نہیں رکھی گئی۔

تفسیر عہد صحابہ میں

خلافت راشدہ میں اُن علوم و فنون کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا چلا گیا جس کی بنیاد خود رسول مقبولؐ نے رکھی تھی۔ مذہبی علوم میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی بڑی ترقی ہوئی اور سِیَر و مغازی کی بنیاد پڑی۔ اس دور میں کلام مجید کے بعض الفاظ کی تحقیق کے لئے بھی کلام عرب کی جانب توجہ کی گئی۔ کلام مجید عربی میں ہے اور سب سے مستند عرب جاہلیت کا کلام ہے اس لئے مفسر قرآن اصحاب کو جن الفاظ کے معنیٰ میں شبہ ہوتا۔ اس کی تحقیق عہد جاہلیت کے کلام سے کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ میں کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو اس کو اشعار عرب میں تلاش کرو اس لئے شاعری کا مذاق اس عہد میں قائم رہا البتہ مفاسد کی اصلاح ہوگئی۔

تفسیر قرآن میں صحابہؓ کا اختلاف بہت ہی کم ملتا ہے تابعین میں اگرچہ صحابہؓ سے زیادہ اختلاف ہے لیکن بعد والوں کے مقابلے میں پھر بھی کہیں کم ہے۔ " صحابہؓ عموماً قرآن کی تفسیر و تشریح میں شدّت کے ساتھ احتیاط برتتے تھے کیونکہ حدیثوں میں تفسیر بالرائے سے متعلق جو وعید آئی ہے اس کا انہیں دھڑکا لگا رہتا تھا۔ لیکن احساس فرض اور تمدنی ضروریات کی بنا پر صحابہؓ کی ایک تعداد ایسی تھی جو قرآن کی تشریح و تفسیر کرتی تھی۔ لیکن اُن کی تفسیروں کا زیادہ تر تعلق انہی آیات سے تھا جو امر و نہی پر مشتمل ہیں اور وہ آیات جن کا براہ راست تعلق انسانی عمل و کردار سے نہیں ان کی تفصیل میں جانے اور اُن کی تعبیر و تفسیر کرنے میں وہ بہت احتیاط کرتے تھے۔ ان مفسر صحابہ کرامؓ میں سے خلفائے اربعہ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابن کعبؓ، ابن ثابتؓ، ابن زبیرؓ اور ابو موسی اشعریؓ

بہت مشہور ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی جو تفسیریں منقول ہیں اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دو تحریری طور پر بھی قلمبند کی گئی تھیں (ایک تفسیر ابن عباسؓ اور دوسری تفسیر ابن کعبؓ) ان کا بیشتر حصہ قرآن کے مفرد اور غریب الفاظ کی تشریح سے تعلق رکھتا ہے۔ یا آیات احکام سے متعلق کوئی حدیث انہیں معلوم ہوتی تو وہی اُن آیات کی توضیح و تشریح میں بیان کر دیا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی حدیث انہیں معلوم نہ ہوتی اور وقت کا تقاضا ہوتا تو پھر خود ہی فقہی نقطۂ نظر سے تفسیر و تشریح کرتے۔ لیکن ایسا کم ہوا ہے۔ رہے اعتقادی مسائل یا اسرار کائنات سے متعلق تفسیریں تو اس باب میں صحابہ کرام سے بہت کم چیزیں منقول ہیں۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دورِ صحابہؓ کی تفسیر لغوی اثری اور قدرے فقہی تھی اور یہ بات یقینی ہے کہ اس دور میں نہ تفسیری مذاہب پیدا ہوئے تھے اور نہ تفسیر نے کوئی مستقل جداگانہ فن کی حیثیت اختیار کی تھی۔

مزید برآں ہم صحابہؓ میں سے اہلِ علم حضرات کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کے بعض الفاظ کے معنیٰ کے ادراک سے عجز کا اظہار فرمایا ہے۔ علامہ سیوطیؒ الاتقان میں لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے آیت کریمہ ''وَفَاكِهَةً وَأَبًّا'' میں ''أَبًّا'' کے معنیٰ سمجھنے سے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ نیز منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر آیت کریمہ او یاخذھم علی تخوف تلاوت فرمائی اور حاضرین سے تخوف کے معنیٰ دریافت فرمائے اس پر بنی ہذیل سے ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا اس آیت میں تخوف بمعنی تنقص ہے اور اس پر یہ شاہد پیش کیا۔

ع تَخَوَّفَ الرَّحْلُ مِنْهَا تَامِكًا قَرِدًا
كَمَا تَخَوَّفَ عُودَ النَّبْعَةِ السَّفَنُ

ترجمہ: بڑے بڑے کوہانوں والی اونٹنیوں کو جن کے چھپریاں ہو رہی ہوں کجاوہ اس طرح گھس کر کم دیتا ہے جیسے کمان کی لکڑی کو ریتی گھس گھس کر کم کر دیتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ ترجمان القرآن کے لقب سے معروف ہیں۔ مگر مجاہد راوی ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ''فاطر السموات'' کا صحیح مفہوم میرے ذہن میں

نہیں آرہا تھا حتیٰ کہ دو اعرابی ایک کنویں کے متعلق نزاع میرے پاس لائے ان میں سے ایک نے اپنی حق ملکیت کے ثبوت میں کہا "انا فطرتھا" کہ اس کنویں کو پہلی مرتبہ میں نے کھودا ہے یہ کلمہ سن کر میری مشکل حل ہوگئی اور فاطر السموات کا صحیح مفہوم میں نے سمجھ لیا"

(مفردات القرآن مترجم صہ مطبوعہ لاہور)

دورِ تابعین اور تفسیر: اس دور میں ایک طرف تو مختلف فرقے مثلاً (خوارج قدریہ وغیرہ) اپنے باطل افکار و نظریات کی اشاعت کے لئے قرآن کو آلۂ کار بنانے میں زیادہ سرگرم ہوگئے تھے۔ دوسری طرف دُور دُور تک اسلامی دعوت پہنچنے کی وجہ سے جب رومیوں اور ایرانیوں کا اختلاف زیادہ ہوا تو کچھ ایسے عجمی افکار کو دخل اندازی کے مواقع ملے جن سے انتشار ذہنی پیدا ہونا لازمی تھا۔ تیسری طرف یونانی فلسفہ تھا جو آگے بڑھ رہا تھا اور چوتھی طرف اسلامی مملکت کے رقبہ کے وسیع تر ہو جانے کے سبب معاشرتی، معاشی اور سیاسی نوعیت کے بہت سے پیچیدہ مسائل اُبھر رہے تھے۔

یہ گوناگوں مشکلات تھیں جن سے تابعین کو عہدہ برآ ہونا تھا۔ چنانچہ اُن سے نمٹنے کے لئے اُنہوں نے تفسیر قرآن کے باب میں جو طریقہ اختیار کیا وہ اصلاً اُس سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا، جو صحابہ کا تھا۔ اُن کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اُن تک صحابہؓ کے ذریعہ جو کچھ پہنچا ہے اُسے بیان کرنے پر اکتفا کریں۔ لیکن ساتھ ہی دوسرے متذکرہ بالا مسائل سے وہ آنکھیں بند نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے اس باب میں تابعین کی روش یہ تھی کہ وہ کبھی کبھی گفتگوئیں اور بحثیں بھی کیا کرتے مگر اس معاملہ میں اُن کی کوشش یہی ہوتی کہ ذہنی کشش اور مناظرہ کا رنگ پیدا نہ ہو، بلکہ جہاں تک ہو سکے اذہان کو کج بحثیوں سے ہٹا کر احکام کی پابندی کی راہ پر لگایا جائے۔ مثلاً محمد بن سیرین سے ایک مرتبہ لوگوں نے مسئلہ جبر و قدر کے بارے کچھ بحث کی۔ ان کا جواب دیتے ہوئے ابن سیرین نے مسئلہ جبر و قدر کے متعلق کچھ بحث نہ کی۔ بلکہ یہ آیت تلاوت کی۔ اِنَّ اللّٰہَ یامر بالعدل والاحسان الآیۃ مطلب یہ تھا کہ اس طرح کے مسائل میں وقت برباد کرنے کی بجائے عمل خیر کرو کہ اسی کا حکم تمہیں دیا گیا ہے۔

رہے اپنے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور وسعت مملکت کے مقتضیات اور پیش آنے والے نت نئے مسائل، تو اس باب میں اگر انہیں صحابہؓ سے کوئی رہنمائی نہ ملی ہوتی تو پھر ایسے پیش آمدہ مسائل کے حل کی خاطر وہ خود اپنی عملی بصیرت سے کام لے کر قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح کرتے۔ جس کی بکثرت مثالیں قاضی شریح، ابراہیم، نخعی، مجاہد، عطا، ابن سیرین اور مکحول کے افادات میں مل سکتی ہیں۔ صحابہؓ کی طرح تابعین کے درمیان بھی تفسیر میں کم اختلاف ہے اور تفسیر میں اختلاف سے زیادہ احکام میں اختلاف ہے اور ایسا قدرتاً ہونا چاہیئے کیونکہ زمانے کے تقاضے اور بدلتے ہوئے حالات کی بنا پر ابھرنے والے نت نئے مسائل کے حل کی خاطر اجتہاد کیا جائے گا تو لازمی طور پر آراء کے درمیان اختلاف ہوگا اور تفسیر میں تابعین کے درمیان جس قسم کے اختلاف کا ثبوت ملتا ہے وہ زیادہ تر تنوع کا ہے نہ کہ تضاد کا۔

دور تابعین کے مشہور مفسرین میں علقمہ، عمرو بن شرجیل، مسروق، اسود بن یزید، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، شعبی مجاہد عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور اعمش شامل ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "تابعین میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے پوری تفسیر صحابہ سے حاصل کی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں "میں نے مصحف قرآنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے پیش کردیا۔ ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور اُن سے مطلب سمجھتا تھا"۔ اسی لئے امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے۔ "جب تمہیں تفسیر مجاہد سے پہنچے تو بس بالکل کافی ہے" اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ مجاہد کی تفسیر پر بھروسہ کرتے تھے۔ اسی طرح امام احمدؒ وغیرہ جنہوں نے تفسیریں مرتب کی ہیں دوسروں کے مقابلے میں مجاہد سے زیادہ روایت کرتے ہیں"

(ابن تیمیہ اصول تفسیر مترجم ص ۲۰ لاہور)

تابعین میں سے جن حضرات نے تفسیر قرآن یا اس علم کے کسی خاص موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کیں اُن میں حضرت سعید بن جبیرؒ ابوالعالیہ، محمد بن کعب القرظی، عطا بن ابی رباح، حسن بصری اور عکرمہ قابل ذکر ہیں۔ "عبدالملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے قرآن پاک کی تفسیر لکھوائی تھی۔

(میزان الاعتدال ذہبی ج ۳ ص ۱۹۷)

حاصل ہے۔

اہلِ کوفہ میں سعید بن جبیرؓ فن تفسیر میں نمایاں تھے۔ سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے۔

خذوا التفسیر عن اربعۃ عن	تفسیر کا فن چار آدمیوں سے سیکھو
سعید بن جبیرؒ و مجاہد و عکرمہ	سعید بن جبیرؒ، مجاہد، عکرمہ اور
والضحاک (الاتقان ج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ مصر)	ضحاک سے

بصرہ کا مدرسہ: بصرہ میں بے شمار صحابہؓ آکر آباد ہوئے تھے جن میں سب سے زیادہ علمی شہرت حضرت ابوموسیٰ اشعری اور انس بن مالک کی ہے۔ دورِ تابعین میں جو لوگ مدرسہ بصرہ میں زیادہ شہرت کے مالک ہوئے۔ ان میں امام حسن بصریؒ اور ابن سیرین زیادہ ممتاز ہیں جو موالی کی اولاد میں سے تھے۔ محمد بن سیرین کے والد حضرت انسؓ کے مولیٰ تھے اس لئے آپؒ نے حضرت انسؓ کی آغوش میں پرورش پائی علم قرآن حاصل کیا۔ بیشمار احادیث یاد کیں اور فقہی بصیرت حاصل کی۔

الغرض "اس دور کے مفسرین میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد رشید عکرمہ، قتادہ بن دعامہ سدوسی مجاہد بن جبیرؒ، سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ زیادہ نامور تھے۔ تفسیری روایات کا دارومدار زیادہ تر انہی بزرگوں کی روایات پر ہے ان میں سے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقر اور حضرت علیؓ کے ایک رفیق ابوحمزہ نے تفسیریں بھی لکھی تھیں۔ آج یہ تفسیریں ناپید ہیں۔ اس لئے ان کی تفسیری حیثیت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ یہ آج کل کی تفسیروں کی طرح پورے قرآن کی مرتب تفسیر نہ رہی ہوں گی بلکہ ان میں متفرق آیات کی تفسیری روایتیں یکجا کر دی گئی ہوں گی۔"

(معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام ج ۲ ص ۲۵۳ کراچی)

شام کا مدرسہ: بخاری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ "یزید بن ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ "اہلِ شام کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو انہیں قرآن اور فقہ کی تعلیم دیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ حضرت عبادہؓ اور حضرت ابودرداءؓ کو روانہ فرمایا" یہ حضرات شام میں دینی مدرسہ کے پہلے موسس تھے۔ عبادہ بن صامت انصاریؓ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں قرآن حفظ تھا۔

یہ تینوں حضرات ملک شام میں پھیل گئے اور لوگوں کو تعلیم دینے لگے اولاً تینوں کے تینوں حمص میں اترے، پھر وہاں حضرت عبادہؓ رہ گئے اور باقی دونوں حضرات ابودر دار دمشق کی طرف چلے گئے اور حضرت معاذ فلسطین کی طرف۔ لیکن بعد میں حضرت عبادہؓ بھی فلسطین ہی چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں کے بعد عبدالرحمٰن بن غنم کو بھی اسی مقصد سے بھیجا۔ بہرحال ان کی تربیت سے بہت بلند مرتبہ تابعین پیدا ہوئے جیسے ابو ادریس خولانی، مکحول دمشقی، عمر بن عبدالعزیزؒ، رجاء بن حیوہ اور بالآخر اسی مدرسہ سے اہل شام کے امام عبدالرحمٰن اوزاعیؒ پیدا ہوئے جن کا مرتبہ کسی طرح بھی امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے کم نہیں ہے۔

مصر کا مدرسہ ا جو صحابہؓ مصر میں سکون پذیر ہوئے وہ سب علماء تھے اور انہوں نے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دی یہی صحابہؓ یہاں کے مدرسہ کی بنیاد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں۔ یہ عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سب سے زیادہ جامع تھے۔ آپ مصری مدرسہ کے مؤسس اور بانی شمار ہوتے ہیں۔

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔ لوگ دور دراز ممالک سے ان کے پاس آتے تھے اور شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد و پیش رہتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خرمن علم سے سب سے زیادہ اہل بصرہ نے خوشہ چینی کی، کیونکہ انکے حلقۂ درس میں بصرے والوں کا ہجوم نسبتاً زیادہ ہوتا تھا۔"

(تذکرۃ الحفاظ صد ۳۶)

مصر کے مدرسہ سے صحابہ کے بعد یزید ابن ابی حبیب بہت مشہور ہوئے ہیں یہ اصل کے اعتبار سے مغربی تھے اور دونقلہ کے رہنے والے تھے انہوں نے بعض ان صحابہ سے اکتساب علم کیا تھا جو مصر میں سکونت پذیر تھے۔ کندی کا بیان ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حلال وحرام اور مسائل فقہ کے بارے میں مصر میں علم پھیلایا۔ یہ اُن تینوں آدمیوں میں سے تیسرے تھے جنہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مصر میں فتویٰ دینے کا اختیار دیا تھا یزید کے مشہور ترین تلامذہ میں سے عبداللہ بن لہیعہ اور لیث بن سعد ہیں۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ "لیث امام مالکؒ سے زیادہ فقیہہ ہیں مگر ان کے شاگردوں نے ان کی فقہ

کا حق ادا نہیں کیا"۔

تفسیر تبع تابعین کے دور میں

تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور شروع ہوتا ہے۔" اس دور میں بقول ابن خلدون چونکہ تعلیم و تعلم بھی ایک طرح کی صنعت ہے اور علم خواہ ایک ہو مگر تعلیمی اصلاحات صنعت کی طرح آپس میں مختلف اور جداجدا ہوتی ہیں اس لئے معارف اسلامیہ نے الگ الگ علوم کی شکل اختیار کر لی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ علوم اسلامیہ کی فن واری تقسیم عمل میں آئی جبکہ اس کی حیثیت پہلے ایک ایسے جامع علم کی تھی جو تفسیر بھی تھا، حدیث بھی تھا، فقہ بھی تھا، اصول فقہ بھی تھا لیکن اب ہر ایک نے بجائے خود ایک مستقل فن کی نوعیت اختیار کی اور ہر فن کا اپنا اپنا میدان تھا جس کے خاص خاص اور جُداجُدا شہسوار تھے اور کم ہی ایسی شخصیتیں تھیں جو اپنے اندر جامعیت رکھتی تھیں۔ نیز اس دور میں وہ سارے فاسد و باطل افکار و نظریات کھل کر میدان میں آگئے جو اس سے پہلے ذرا جھجکتے ہوئے سامنے آتے تھے۔ ایک طرف سبائیت وغیرہ باطل فرقے اپنے اپنے عقائد و نظریات کی نشر و اشاعت اور اپنے اپنے مقاصد کے حصول کی غرض سے قرآن کو استعمال کرنے پر تیز گام ہو گئے۔ اور دوسری طرف یونانی فلسفہ تھا جو اذہان و قلوب کو مسموم کر ڈالنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا۔ مزید برآں ملحدین کا ایک طبقہ تھا جو قرآن پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہا تھا۔

اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ ایسی تفسیریں تالیف کی گئیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تفاسیر اور صحابہ اور تابعین کے اقوال کو جمع کیا گیا۔ مثلاً ابو عمرو بن العلاء، شعبہ بن الحجاج، سفیان ثوری، امام مالک، یونس بن حبیب اور وکیع بن الجراح وغیرہ کی تالیفات۔ یہ گویا تفسیر بالماثور یا تفسیر بحسب الآثار کی بابت تالیف کی پہلی کوشش تھی۔

لیکن فاسد و باطل نظریات و افکار سے پوری طرح متاثر اور مرعوب ہو جانے والے اذہان و قلوب کو مطمئن کرنے کے باب میں یہ کوشش کچھ زیادہ سود مند اور کارآمد نہ ہو سکی۔ اس لئے ان تمام آیات کے متعلق، جو یونانی فلسفہ پر پوری طرح منطبق نہیں

ہوتی تھیں۔ شکوک و شبہات کو دور کر کے اذہان و قلوب کو مطمئن کرنے کے لئے واصل بن عطا اور عمرو بن عبید اٹھے اور اس میں شبہ نہیں کہ عقلیت اور قدرت بیان اور وقت کے جدید طرز استدلال سے مسلح ہونے کے لحاظ سے یہ اس "سیل عرم" کے سامنے بند باندھنے کے لئے نہایت موزوں تھے جو متاثر اور مرعوب ذہنوں کو بہائے لئے جا رہا تھا۔ مگر یہ دونوں یونانی فلسفہ سے خود اتنے مرعوب تھے کہ اہل سنت کے بعض بنیادی عقائد کا انکار کر بیٹھے تھے اور واصل بن عطا اس تحریک کا سب سے بڑا نمائندہ اور قائد تھا بلکہ اعتزال کو دین و مذہب کی حیثیت دے بیٹھا تھا پھر اس تحریک کی قیادت عمرو بن عبید نے سنبھالی جسے اہل سنت سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احقاق اور ابطال باطل کیا۔ عقلی زاویہ نگاہ سے واصل بن عطا نے "معانی القرآن" کے نام سے جو تالیف کی اس کو اعتزال کے رنگ میں رنگ دیا۔ یہ عقلی زاویہ نگاہ سے تفسیر قرآن کا فتح باب تھا۔

اس مرحلہ پر عقلیت زدگی کی روک تھام اور باطل فرقوں کے نظریات اور تصورات کی تردید کے لئے مشہور محدث سفیان بن عیینہ اٹھے اور انہوں نے "جوابات القرآن" کے نام سے ایک تالیف کی۔

حالاتِ تفاسیر: علم تفسیر کی تعریف، اقسام ثلاثہ اور تاریخ تفسیر پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں جنہیں تفسیروں کے حالات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دین اسلام اس بات پر نازاں ہونے میں بجا ہے کہ وہ اپنے دامن میں سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ایسے شہسوار رکھتا ہے جنہوں نے اس دین متین کی حفاظت، اشاعت اور ترقی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ اس سلسلہ میں ہزاروں مفسرین صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئے۔ ہزاروں محدثین نے علم اسلام بلند کیا کروڑوں کی تعداد میں حفاظ نے حفاظت قرآن کی خدمت کا سہرا اپنے سر لیا۔ لکھو کھا خطبار نے خطبات کے مختلف طریقوں سے دین اسلام کی روح اس کے ماننے والوں FOLLOWERS کے دلوں میں زندہ کر دی۔ آج بھی اسلام کے فرزندان قربانیوں پہ بلا برابر تر رہے ہیں اور انشاء اللہ یہ قربانیوں قیامت تک اپنی جلوہ نمائیاں برقرار

رکھیں گی۔

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی تشریحی خدمات انجام دینے والوں میں سے چند مشہور مفسرین اور اُن کی تفاسیر کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے لئے یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئی

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضؓ

یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی طرف منسوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ان دنوں پیدا ہوئے جبکہ آنحضرت صلعم اور آپ کے قریبی رشتہ دار شعب ابی طالب میں زندگی کے ایام بسر کر رہے تھے۔ اور یہ ہجرت سے تین سال قبل کا واقعہ ہے۔ چونکہ آپ کی خالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضؓ میں سے تھی اس لئے چھوٹی عمر سے حضورؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ تیرہ سال کے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اس کے بعد کبار صحابہ رضؓ سے حضورؐ کی احادیث حاصل کیں ۶۸ھ میں وفات پائی اور طائف میں مدفون ہوئے۔

علمی مقام: حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو حبر الامۃ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ علم کے بحرِ بے کراں اور اجتہاد کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ کتاب اللہ کے معانی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کی علمی شان و شوکت اور برتری کی بنا پر حضرت عمر رضؓ آپ کو کبار صحابہ رضؓ کے ساتھ بٹھاتے تھے۔ لیکن جب حضرت عمر رضؓ کوئی سوال پوچھتے تو فرط ادب سے کہتے کہ جب تک یہ بزرگ کلام نہ کرلیں میں گفتگو کا آغاز نہیں کروں گا حضرت عمر رضؓ اکثر انہی کی رائے اور مشورہ پر اعتبار کرتے تھے۔

ابن عباس رضؓ کے بارے میں ائمہ کی آراء: مجاہد کہتے ہیں اَنَّهٗ اِذَا فَسَّرَ الشَّیْءَ رَأَیْتُ عَلَیْهِ النُّوْرَ

یعنی جب وہ کسی شئ کی تفسیر کرتے ہیں تو مجھے اس پر نور نظر آتا ہے۔ حضرت علی رضؓ اُن کی تفسیر کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کانما ینظر الی الغیب من ستر رقیق

گویا وہ پتلے پردے سے غیب کی طرف جھانک رہے ہیں۔

ابن عمر رضؓ کا قول ہے۔

اِبْنُ عَبَّاسٍؓ اَعْلَمُ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ابن عباسؓ امت محمدیہ میں قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

ابن عباسؓ کی فوقیت علم کے اسباب :۔ ابن عباسؓ کی علمی شہرت اور اعلیٰ مرتبت کے حسب ذیل اسباب تھے۔

۱۔ دعا نبوی :۔ پہلا سبب حضورؐ کی دعا تھی حدیث شریف میں آتا ہے کہ جناب رسول اکرمؐ نے آپؓ کے لئے دعا فرمائی تھی۔

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْلَ۔

اے اللہ اسے کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور دوسری روایت میں ہے۔ اے اللہ اسے دین کی سمجھ عنایت فرما اور (آیات کی) تاویل سکھادے۔

۲۔ خانۂ نبوی میں پرورش : جب سے ہوش سنبھالا حضورؐ کی صحبت کو لازم پکڑا اور ان سے قرآن کے متعلق بہت کچھ حاصل کیا۔

۳۔ اکابر صحابہ کی معیت :۔ آنحضورؐ کے وصال کے بعد بڑے بڑے صحابہ کی صحبت اختیار کی اور اُن سے نزول قرآن کے مقامات اور اسباب نزول وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ حاصل کیا۔

۴۔ لغت عربیہ سے آگاہی :۔ لغت عربی سے بخوبی واقف تھے۔ اکثر قرآن کے معنیٰ میں شعر سے استشہاد حاصل کرتے تھے۔

۵۔ اجتہاد کے مرتبہ پر فائز ہونا :۔ چونکہ اجتہاد کے مرتبہ پر فائز تھے اس لئے جس بات کو حق سمجھتے تھے نڈر (FEARLESS) ہوکر بیان کردیتے تھے اور ناقد کی تنقید اور لائم کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ابن عباسؓ سے روایت کے مختلف طرق :۔ علامہ سیوطیؒ "الاتقان" میں لکھتے ہیں۔

"ابن عباس سے بے شمار تفسیری روایات منقول ہیں اور ان روایات کے مختلف طریقے ہیں جنہیں اعلیٰ طریقہ وہ ہے جس میں علی بن ابی طلحہ ہاشمی ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔
(الاتقان صہ ۱۸۸ ج ۲ مطبوعہ قاہرہ)

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے۔

بِمِصْرَ صَحِيفَةٌ فِي التَّفْسِيرِ رَوَاهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ لَوْ رَحَلَ رَجُلٌ فِيهَا إِلَى مِصْرَ قَاصِدًا مَاكَانَ كَثِيرًا

مصر میں تفسیر کا ایک صحیفہ ہے جس کو علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے اگر کوئی شخص اس کی خاطر مصر کا سفر کرے تو بڑی بات نہ ہوگی۔

(الاتقان صہ ۱۸۸ ج ۲ مطبوعہ قاہرہ)

دوسرا طریقہ ابن عباسؓ سے تفسیری روایات کا یہ ہے قیس بن مسلم کوفی عطا بن سائب سے اور عطا سعید بن جبیر سے اور سعیدؒ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں یہ طریقہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے اس طریقہ سے اکثر فریابی اور حاکم اپنی مستدرک میں روایتوں کی تخریج کرتے ہیں۔

ان دو طریقوں کے علاوہ ایک اور اچھا طریقہ ابن عباسؓ سے تفسیری روایات کا ہے اور وہ یہ ہے ابن اسحٰق (جن کی سیرت النبیؐ پر مشہور کتاب ہے) محمد بن ابی محمد مولیٰ آل زید بن ثابت سے اور محمد بواسطہ عکرمہ یا سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح حرف تردید (اَوْ بمعنی یا) کے ساتھ یعنی (عن عکرمہ او سعید بن جبیر) یہ بھی ایک بہتر طریق ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔ اور اس طریق سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بکثرت روایتیں لی ہیں۔ اور طبرانی کی معجم الکبیر میں بھی اس طریق سے بہت سی باتیں منقول ہیں۔

اور ابن عباس رضؓ سے تفسیری روایات کا واہیات طریقہ وہ ہے جس میں کلبی ابو صالح سے اور ابو صالح ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان السدی الصغیر کی روایت بھی شامل ہو جائے تو اسے سلسلۃ الکذب سمجھنا چاہیئے؟
اس کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں مگر یہ کہ کلبی کو اُن پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ مقاتل ضعیف اور غیر ثقہ تو خیر ہیں ہی، باطل اور لغو مذاہب کی باتیں

بھی بیان کرجاتے ہیں انہوں (مقاتل) نے بڑے تابعین کا زمانہ پایا ہے امام شافعیؒ نے ان کی تفسیر کے اچھا ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

ضحاک بن مزاحم کوفی کا حضرت ابن عباسؓ سے طریق روایت منقطع ہے۔ اس کے علاوہ ابن عباسؓ سے عوفی کا بھی ایک طریق ہے جس سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بہت کچھ لیا ہے۔ باوجودیکہ عوفی ضعیف ہیں لیکن واہی تباہی نہیں ہیں۔ بلکہ ترمذی نے تو بعض جگہ انکی تحسین کی ہے۔

(الیضا صہ ۱۸۹۔ ۱۸۹)

"ابن عباسؓ کی طرف منسوب تفسیر" ابن عباسؓ کی طرف ایک تفسیر منسوب کی جاتی ہے جو مصر سے کئی بار طبع ہو چکی ہے اس کا نام "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" ہے۔ اس کو محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی (کنیت ابو طاہر) نے جمع کیا ہے اور ابن عباسؓ تک سند پہنچاتا ہے۔

اس میں ابو طاہر محمد بن یعقوب نے جتنی روایات جمع کی ہیں وہ محمد بن مروان السدی الصغیر عن محمد بن السائب الکلبی، عن ابی صالح عن ابن عباس کے گرد گھومتی ہیں چنانچہ محمد حسین ذہبی مصنف "التفاسیر والمفسرون" فرماتے ہیں۔ اسکی تعقیب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

"لم یثبت عن ابن عباسؓ فی التفسیر الا شبیہ بمائۃ حدیث"

ترجمہ: ابن عباسؓ سے تفسیر میں تقریباً ایک سو سے زیادہ روایتیں نہیں ہیں۔

کہتے ہیں کہ اگر امام شافعی کی بات درست ثابت ہو جائے تو وضاعوں کی جرأت کا اس تفسیر سے اندازہ ہو سکتا ہے آگے چل کر کہتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا التَّفْسِيْرَ الْمَنْسُوْبَ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ لَمْ يَفْقِدْ شَيْئًا مِّنْ قِيْمَتِهِ الْعِلْمِيَّةِ فِى الْغَالِبِ وَاِنَّمَا شَيْئٌ الَّذِى لَا قِيْمَةَ لَهُ نِسْبَتُهٗ هُوَ نِسْبَتُهٗ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍؓ۔

بے شک یہ تفسیر جو ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے غالباً اپنے علمی سرمایہ سے محروم نہیں ہے البتہ اس میں بے قیمت چیز ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہونا ہے۔

(التفاسیر والمفسرین صہ ۸۲ ج اول)

لوگوں کے من گھڑت قصے اور روایات کو وضع کرنے کا سبب یہ تھا کہ عباسی خلفاء کا قرب حاصل ہو جائے ۔ واللہ اعلم

جامع البیان فی تفسیر القرآن للطبری

مؤلف کے مختصر حالاتِ زندگی :-

جامع البیان فی تفسیر القرآن کے مؤلف ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ ہیں۔ جو جلیل القدر امام اور مجتہد مطلق تھے۔ آپ کی پیدائش آمل میں ہوئی جو طبرستان کا علاقہ ہے سن پیدائش ۲۲۴ھ ہے۔ آپ نے بارہ سال کی عمر میں علم کے لئے سفر اختیار کیا اور مختلف ممالک میں جاکر حصول علم سے تشنگیٔ علم کو بجھایا آپ اس مقصد کے لئے مصر، شام اور عراق گئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ پھر آخر کار بغداد میں مقیم ہوگئے اور ۳۱۰ھ یعنی وفات تک وہیں ٹھہرے رہے ۔

ابن جریر کا علمی مقام :-

طبریؒ اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین اُن کے تفکر، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں خطیب بغدادی فرماتے ہیں

كَانَ ابْنُ جَرِيرٍ اَحَدُ اَئِمَّةِ الْاَعْلَامِ يُحْكَمُ بِقَوْلِهٖ وَيُرْجَعُ اِلٰى رَاْيِهٖ لِمَعْرِفَتِهٖ وَفَضْلِهٖ الخ (لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۱ مطبوعہ دکن)

" یعنی ابن جریر ائمہ اعلام میں سے ایک تھے جس کے قول کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور جس کی فضیلت اور معرفت کی وجہ سے اس کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس نے ایسے علوم کو جمع کیا جس میں اس کے اہل عصر میں سے کوئی اس جیسا نہیں ہو سکا وہ کتاب اللہ کے حافظ، قرآن میں بصیرت رکھنے والے، معانی سے خوب واقف احکام قرآن میں فقاہت رکھنے والے علم حدیث اور اس کے طرق سے خوب آگاہ، صحابہؓ اور تابعینؒ

اور اُن کے مابعد کے اختلاف فی الاحکام کو جاننے والے اور لوگوں کے حالات سے خبردار تھے"۔
ابوالعباس ابن سریج کہا کرتے تھے۔ " محمد بن جریر فقیہ عالم"
یعنی محمد بن جریر فقیہ اور عالم ہیں۔ (التفاسیر والمفسرون)

ابن جریر کا مذہب :-

ابن السبکی کی الطبقات الکبریٰ سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ابن جریر مجتہد کے مقام پر فائز ہونے سے پہلے شافعی المسلک تھے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے چنانچہ مذکورہ کتاب میں ابن جریر کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

ان ابن جریر قال اظہرت فقہ الشافعی، وافتیت بہ بغداد عشر سنین
یعنی ابن جریر فرماتے ہیں میں نے فقہ شافعی کا اظہار کیا اور اسی کے مطابق بغداد میں دس سال تک فتویٰ دیتا رہا۔

الاتقان میں سیوطیؒ نے بھی اسی بات کا اقرار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔
وَكَانَ اَوَّلاً شَافِعِيًّا ثُمَّ انْفَرَدَ بِمَذْهَبٍ مُّسْتَقِلٍّ
یعنی ابتداءً شافعی المسلک تھے پھر علیحدہ مستقل مذہب اختیار کیا۔

امام ابن جریرؒ کا مجتہد ہونا مشہور و معروف ہے لیکن ان کا مذہب زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ اگرچہ ابن جریر طبری کی بعض لوگوں نے اتباع بھی کی ہے چنانچہ التفسیر والمفسرون کے مصنف محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں۔
قَالُوْا وَلَهٗ مَذْهَبٌ مَّعْرُوْفٌ وَّاَصْحَابٌ يَّنْتَحِلُوْنَ مَذْهَبَهٗ يُقَالُ لَهُمُ الْجَرِيْرِيَّة
یعنی علما کا قول ہے کہ اس کا مذہب مشہور ہے اور کچھ لوگ اس کے مذہب کی طرف منسوب ہیں جنہیں جریریہ کہا جاتا ہے۔

ابن خلقان کا قول ہے۔
كَانَ مِنَ اَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ لَمْ يُقَلِّدْ اَحَدًا
(وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۵۶ مطبوعہ مصر)
وہ ائمہ مجتہدین میں سے تھا جس نے کسی کی تقلید نہیں کی۔

ابن جریرؒ کی عدالت :-

بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ " یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے "۔

(لسان المیزان ۵/۱۰۰)

اسی طرح صاحب لسان المیزان ابن جریر کے متعلق کہتے ہیں ۔

ثِقَةٌ صَادِقٌ، فِيهِ تَشَيُّعٌ يَسِيرٌ وَمُوَالَاةٌ لَا تَضُرُّ

(لسان المیزان ۵/۱۰۰)

" یعنی ثقہ اور صادق راوی ہیں البتہ اس میں کچھ میلان تشیع کی طرف تھا لیکن مضر نہیں

علامہ ذہبی ان کی عدالت بیان کرتے ہوئے میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں ۔

هَذَا رَجْمٌ بِالظَّنِّ الْكَاذِبِ بَلْ اِبْنُ جَرِيْرٍ مِنْ كِبَارِ أَئِمَّةِ الْإِسْلَامِ الْمُعْتَمَدِيْنَ

یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریرؒ اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں ۔

(میزان الاعتدال ج ثالث صہ ۳۵ مطبوعہ مصر)

تفسیر طبری کے متعلق آئمہ کی آراء :-

امام قفطی کا قول ہے ۔

لَمْ نَرَ أَكْبَرَ مِنْ تَفْسِيْرِ الطَّبَرِيْ وَلَا أَكْثَرَ فَوَائِدَ

یعنی تفسیر طبری سے بڑی اور زیادہ مفید تفسیر نہیں دیکھی گئی ۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں ۔

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يُصَنَّفْ مِثْلُ تَفْسِيْرِ الطَّبَرِيْ

(کشف الظنون صہ ۱۴۳۷ ج اوّل)

یعنی امت کا اس پر اجماع ہے کہ طبری جیسی تفسیر کسی نے نہیں لکھی ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

أَمَّا التَّفَاسِيْرُ الَّتِيْ فِيْ أَيْدِي النَّاسِ فَأَصَحُّهَا تَفْسِيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ جَرِيْرٍ الطَّبَرِيْ

یعنی وہ تفاسیر جو لوگوں کے پاس ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح محمد بن جریر طبری

لے معجم الادباء ۱۸/۶۲

کی تفسیر ہے۔ (اصول تفسیر (صہ ۸۲) میں ابن تیمیہؒ نے اس تفسیر کو جلیل القدر اور عظیم الشان تفسیر کہا ہے)

لسان المیزان میں ہے کہ ابن خزیمہ نے تفسیر ابن جریر ابن خالویہ سے مستعار لی اور اسے کئی سالوں کے بعد واپس کیا تو کہا میں نے اوّل سے لے کر آخر تک اس کا مطالعہ کیا ہے۔

فَمَا اَعْلَمُ عَلٰی اَدِیْمِ الْاَرْضِ اَعْلَمُ مِنْ اِبْنِ جَرِیْرٍ

(ج ۵ صہ ۱۰۲)

پس روئے زمین پر میں نے ابن جریر سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

جلال الدین سیوطیؒ اتقان کی نوع ۸۰ میں فرماتے ہیں کہ "اگر تم مجھ سے پوچھو کہ کس تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہیئے یا پڑھنے والوں کو کس تفسیر کی طرف رجوع کرنے کی آپ ہدایت کرتے ہیں تو میں کہوں گا وہ ابو جعفر ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر ہے جس کے بارے میں معتبر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تفسیر میں اس کے مثل کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی"

(الاتقان فی علوم القرآن اردو صہ ۶۰۰ ج ۲ و عربی صہ ۱۹۱ ج)

ابو حامد اسفرائنی کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص تفسیر طبری کو حاصل کرنے کے لئے چین تک سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہوگی"

(کشف الظنون صہ ۴۳۷ ج اوّل)

علامہ شبلی نعمانیؒ سیرت النبیؐ میں فرماتے ہیں۔

"ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے" (جلد اوّل صہ ۲۷)

ابن سبکیؒ نے اپنے طبقات میں لکھا ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ ابن جریرؒ نے اپنے شاگردوں سے کہا اَتَنْشَطُوْنَ لِتَفْسِیْرِ الْقُرْآنِ (کیا تم تفسیر قرآن سے پوری طرح نشاط و انشراح حاصل کرنا چاہتے ہو؟) انہوں نے کہا کم یکون قدرہ (وہ تفسیر کتنی ہوگی) تو ابن جریر نے جواب دیا کہ تیس ہزار ورق تو ان کے وہ تلامذہ کہنے لگے کہ یہ تمام ہونے سے پہلے ہماری عمروں کو ختم کر دے گی۔ تب ابن جریر نے اس تفسیر کو تقریباً تین ہزار اوراق میں مختصر کیا۔"

(بحوالہ کشف الظنون صہ ۴۳۷ ج اوّل مطبوعہ استنبول)

تفسیر طبری کے نمایاں پہلو ۔ اس تفسیر کے نمایاں پہلو حسب ذیل ہیں ۔

(۱) **جامع تفسیر** ۔ یہ تفسیر قدیم تفسیروں میں سب سے جامع اور مکمل تفسیر ہے اور اہم ترین تفاسیر میں سے ہے جیسا کہ اقوال ائمہ سے ثابت ہے ۔

(۲) **ماثور تفسیر** ۔ ماثور تفاسیر میں سرفہرست طبری کا نام آتا ہے یعنی اس تفسیر میں مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے سنت، اقوال صحابہ اور تابعین کو منضبط کیا ہے ۔

(۳) **تفسیر بالرائے کی مخالفت** ۔ امام ابن جریر طبریؒ صرف اقوال صحابہؓ و تابعین کے نقل کرنے اور ترجیح دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ قرآن کی تفسیر رائے سے کرنے والوں پر سختی سے گرفت کرتے ہیں ۔ چنانچہ

عن مجاهد ، وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ" قَالَ مُسِخَتْ قُلُوْبُهُمْ وَلَمْ يُمْسَخُوْا قِرَدَةً وَاِنَّمَا هُوَ مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللّٰهُ لَهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا"

اب اس قول کو نقل کرنے کے بعد ابن جریر مجاہد کا یوں تعاقب کرتے ہیں ۔

وَهٰذَا الْقَوْلُ الَّذِيْ قَالَهُ مُجَاهِدٌ، قَوْلٌ لِظَاهِرِ مَا دَلَّ عَلَيْهِ كِتَابُ اللّٰهِ مُخَالِفٌ .... ؟

اسی طرح اکثر مقامات پر وہ ان آراء کو رد کر دیتے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہے ۔

(۴) **اسانید پر جرح و تعدیل** ۔ ابن جریرؒ کبھی کبھی سند پر بھی تنقید کرتے ہیں ۔ جو راوی عادل ہو اس کی عدالت بیان کرتے ہیں اور جو مجروح ہو اس پر جرح کرتے ہیں

فيعدل من يعدل من رجال الاسناد ، ويجرح من يجرح منهم (التفسیر والمفسرون)

(۵) **اجماعی مسئلہ کو ترجیح** ۔ اجماعی مسئلہ کو عموماً ترجیح دیتے ہیں ۔ یعنی جہاں کسی کا قول ایک طرف ہو اور دوسری طرف جم کثیر ہو تو وہ ترجیح اسی کثیر جماعت کو دیں گے مثلاً قرآن پاک میں ہے

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

اب اس پر سوال اُٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے دو نکاحوں میں سے کون سا نکاح مراد ہے یعنی جماع یا عقد تزویج (کیونکہ نکاح کے معنیٰ دونوں کو شامل ہیں) تو کہا گیا ہے۔ دونوں مراد ہیں اس لئے کہ اگر عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو اور وہ مرد اُس سے وطی کئے بغیر طلاق دے دے تو یہ زوج اوّل کے لئے حلال نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اُس عورت سے زنا کرتا ہے (تو جماع والا معنیٰ پایا گیا لیکن عقد تزویج والا معنیٰ مفقود ہے) تو پھر بھی یہ زوج اوّل کے لئے حلال نہیں۔ اس لئے کہ امت کا اسی پر اجماع ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے قول کا مطلب نکاح صحیح، پھر جماع اور پھر طلاق ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تو اس کا ذکر نہیں ہے تو پھر اس مذکورہ معنیٰ پر کیا چیز دلالت کر رہی ہے تو جواب دیا گیا ہے کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ اس آیت کا مطلب یہی ہے۔

(۶) **قرأۃ کے بارے ابن جریر کا موقف:** ابن جریرؒ نے قرأتوں کے اختلاف کو بھی بیان کیا ہے۔ قرأتوں اور انکی توجیہ کے بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابن جریر كَانَ مِنْ عُلَمَاءِ الْقِرَاءَاتِ الْمَشْهُورِيْنَ یعنی مشہور علمار قرأت میں سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے اس میں ایک کتاب تالیف کی جو اٹھارہ جلدوں میں تھی۔ جس میں تمام مشہور اور شاذ قرأتوں کو جمع فرمایا لیکن یہ کتاب مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ضائع ہوگئی۔

(۷) **اسرائیلی روایات کا ورود:** ابن جریرؒ اسرائیلی روایات اور قصص بیان کرتے ہیں لیکن یہ روایات سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے اس بات کی وضاحت مطلوب ہوتی ہے یہ فلاں شخص یا فلاں راوی سے لی گئی ہے۔ سند ذکر کرنے کے بعد وہ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اب قاری اور مطالعہ کرنے والے پر فرض ہے کہ وہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرے۔

(۸) **لایعنی باتوں سے اجتناب:** اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لایعنی اور بیکار مباحث سے پرہیز کیا گیا ہے۔

(۹) **کلام عرب کے ساتھ احتکام:** بعض جگہوں پر آثار منقولہ کو چھوڑ کر لغت عرب کے ساتھ حکم لگاتا ہے۔ مثلاً قرآن کی آیت حتی اذا جاء امرنا وفار التنور الآیۃ کا ذکر کرکے کہتا ہے کہ روایت ہے کہ

(ا) إِنَّ التَّنُّوْرَ عِبَارَةٌ عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ — اور بعض کا قول ہے

(ب) إِنَّهُ عِبَارَةٌ عَنْ تَنْوِيْرِ الصُّبْحِ " " " "

(ج) إِنَّهُ عِبَارَةٌ عَنْ أَعْلَى الْأَرْضِ وَأَشْرَفِهَا " " " "

(د) إِنَّهُ عِبَارَةٌ عَمَّا يُخْتَبَزُ فِيْهِ " " " "

پھر یہ تمام اقوال نقل کرکے کہتا ہے کہ سب سے بہتر قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ تنور سے مراد روٹیوں والا تنور ہے۔ (یعنی آخری معنیٰ) کیونکہ لغتہً یہی درست ہے۔

(۱۰) **اشعار قدیمہ سے استشہاد** :۔ ابن جریر اشعار سے بھی استشہاد پیش کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان فلا تجعلوا للہ اندادا پر کہتا ہے۔ انداد جمع ہے ند کی اور ند عدل اور مثل کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ حسان بن ثابت کہتے ہیں۔

ع۔ أَتَهْجُوْهُ وَلَسْتَ لَهُ بِنِدٍّ فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ

(۱۱) **نحوی مذاہب کا تذکرہ** :۔ کوفی اور بصریوں کے نحوی مذاہب کو ذکر فرماتے ہیں پھر کبھی بصریوں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں کبھی کوفیوں کے قول کو۔

(۱۲) **احکام فقہیہ کو ذکر کرنا** :۔ ابن جریرؒ علماء اور ان کے مذاہب کو پیش کرتا ہے، اور جس قول کو اختیار کرتے ہیں دلائل سے اُسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۳) **علم کلام اور تفسیر طبری** :۔ امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں مسائل کلامیہ کو بھی ذکر کیا ہے یعنی علم کلام کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں تطبیق ہو سکتی ہے تطبیق دی ہے۔ لیکن جب مناقشہ کرتا ہے تو بالکل بات کو واضح کرکے دکھاتا ہے البتہ جدل کلامی اور تطبیق و مناقشہ میں وہ اہلِ سنت کی آراء کے موافق بحث کرتا ہے۔ اسی طرح وہ مسائل اختیار میں قدریہ کا اور آراء اعتقادیہ میں معتزلہ کی تردید کرتا ہے۔

معالم التنزیل

تفسیر معالم التنزیل کے مؤلف ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی ہیں جو شافعی المسلک تھے۔ ان کا لقب محی السنۃ ہے۔ امام بغویؒ ایک بہترین مفسر، عظیم محدث اور ممتاز فقیہ تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ جب بھی درس دینے کے لیے تشریف لاتے تو باوضو ہو کر درس دیتے اور روٹی سالن کے بغیر کھایا کرتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں کمزوری کی وجہ سے زیتون کا استعمال شروع کر دیا تھا۔

محی السنۃ کا لقب کیوں ملا؟ کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے اپنی کتاب شرح السنۃ لکھی تو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔

اَحْیَاکَ اللّٰہُ کَمَا اَحْیَیْتَ سُنَّتِیْ (مرقاۃ المفاتیح ص۱۲ ج۱ مطبوعہ مصر)

یعنی "اللہ تمہیں زندہ رکھے جیسا کہ تم نے میری سنت کو زندہ کیا۔"

اس واقعہ کے بعد محی السنۃ کا لقب اُن کے لئے عَلَم کی طرح مشہور ہو گیا اور اب تک علمائے امت میں وہ محی الدین بغویؒ کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔

امام بغویؒ کی تصنیفات: امام بغویؒ نے معالم التنزیل کے علاوہ اور کئی مشہور و معروف کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً المصابیح، شرح السنۃ اور کتاب التہذیب۔

امام بغویؒ نے ۵۱۶ھ میں مرو کے مقام پر وفات پائی۔

تفسیر کے بارے ائمہ کی آراء: کشف الظنون میں ہے کہ امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغویؒ متوفی ۵۱۶ھ کی یہ تفسیر ایک متوسط کتاب ہے جس میں مفسرین صحابہؓ و تابعینؒ اور ان کے بعد کے علمائے تفسیر کے اقوال نقل کئے گئے ہیں"

(کشف الظنون ص۱۷۲۶ ج۲)

علامہ خازن اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اِنَّہٗ مِنْ اَجَلِّ الْمُصَنَّفَاتِ فِیْ عِلْمِ التَّفْسِیْرِ وَاَعْلَاھَا"

یعنی یہ علم تفسیر سے متعلقہ تصنیفات میں بلند پایہ مقام رکھتی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب اصول التفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

وَالْبَغَوِیُّ تَفْسِیْرُہٗ مُخْتَصَرٌ مِنَ الثَّعْلَبِی لٰکِنَّہٗ صَانَ تَفْسِیْرَہٗ، عَنِ الْاَحَادِیْثِ الْمَوْضُوْعَۃِ وَالْآرَاءِ الْمُبْتَدِعَۃِ

اور بغوی کی تفسیر اگرچہ ثعلبی کی تفسیر سے مختصر ہے تاہم موضوع روایات اور بدعتی آراء سے انہوں نے اپنی تفسیر کو محفوظ رکھا ہے۔

(اصول تفسیر مترجم ص ۶۹)

لیکن کتانی اپنی کتاب "الرسالۃ المستطرفہ" میں اور نواب صدیق حسن خان اکسیر میں کمزور اور ضعیف حکایات و قصص کے مندرج کرنے کا امام بغویؒ کو الزام دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ کتانی رسالہ مذکورہ میں کہتے ہیں۔

وَقَدْ تُوْجَدُ فِیْہِ (یعنی معالم التنزیل) مِنَ الْمَعَانِیْ وَالْحِکَایَاتِ مَا یُحْکَمُ بِضُعْفِہٖ وَوَضْعِہٖ۔

یعنی تفسیر معالم التنزیل میں بعض ایسے معانی اور قصے موجود ہیں جن پر ضعیف یا موضوع ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

اور نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں۔

"قصص بے اصل ایزاد کرد" الا ماشاء اللہ

(اکسیر ص ۱۰۴)

خصوصیات:-

۱۔ **تفسیر بالماثور:-** امام بغویؒ آسان اور مختصر الفاظ سے تفسیر کرتے ہیں اور تفسیر کے بارے میں سلف سے منقولہ اقوال کو نقل کرتے ہیں لیکن اس میں سند کو حذف کر کے صرف آخری مفسر کا نام درج کر دیتے ہیں۔ مثلاً

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ کَذَا وَکَذَا یا قَالَ مُجَاهِدٌ کَذَا وَکَذَا

مختلف پہلو:- کلبی وغیرہ جیسی ضعیف روایات سے احتراز کرتا ہے۔ قراءتوں کو درج کرتا ہے لیکن اسراف سے کام نہیں لیتا۔ نحوی تراکیب صرف معانی کی وضاحت کے لئے کبھی کبھی درج کر دیتا ہے۔ اسرائیلیات کا بھی کبھی کبھار تذکرہ کرتا ہے اور اُن پر

تنقید نہیں کرتا۔

اشکالات کا جواب :۔ بعض ایسے اشکالات وارد کرتا ہے جو ظاہر الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں پھر اُن کے جواب دیتا ہے ۔

تفسیر القرآن العظیم

اس تفسیر کے مؤلف امام حافظ ابوالفداء اسماعیل بن عمرؒ قرشی دمشقی ہیں جو شافعی المسلک فقیہ ہیں۔ اپنے والد کی وفات کے بعد سات سال کی عمر میں دمشق آئے۔ اور ابن شحنہ، آمدی اور ابن عساکر جیسے علماء سے سماع کیا۔ پھر ابن تیمیہؒ کی شاگردی اختیار کرلی اور اُن کے گرویدہ ہو گئے اور انہیں مسئلہ طلاق میں انہی کی رائے کے مطابق فتویٰ دینے کی بنا پر مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا ۔

ابن کثیر کا علمی مرتبہ :۔ حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ بڑے جید علماء میں سے تھے۔ زمانہ کے علماء اُن کی وسعت علمی کے قائل تھے۔ آپ تفسیر حدیث اور فقہ میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ احکام کے بارے ایک بڑی کتاب کی ابتدار کی لیکن مکمل نہ کرسکے۔ تاریخ کی مشہور کتاب " البدایہ والنہایہ " انہی کی تصنیف ہے ان کی حین حیات میں ہی اُن کی تصانیف دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئیں صاحب شذرات الذہب ان کے بارے کہتے ہیں ۔

كَانَ كَثِيْرُ الْاِسْتِحْضَارِ، قَلِيْلُ النِّسْيَانِ جَيِّدُ الْفَهْمِ

اکثر باتوں کو مستحضر رکھنے والے، کم بھولنے والے اور پختہ فہم کے مالک تھے ۔

(شذرات ج۶ ص۲۳۱ مطبوعہ مصر)

ابن حبیب کہتے ہیں ۔

اِنْتَهَتْ اِلَيْهِ رِيَاسَةُ الْعِلْمِ فِي التَّارِيْخِ وَالْحَدِيْثِ وَالتَّفْسِيْرِ

(التفاسیر والمفسرون)

تاریخ، حدیث اور تفسیر کی علمی ریاست اس (ابن کثیرؒ) تک اپنی انتہا کو ۔

پہنچ گئی۔

تفسیر کے بارے آئمہ کی آراء:۔ صاحب کشف الظنون ص۳۹ا کہتے ہیں کہ تفسیر ابن کثیر دس جلدوں پر مشتمل ایک بڑی تفسیر ہے جو امام حافظ ابوالفداء اسماعیل بن عمر قرشی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ کی تالیف ہے۔ یہ تفسیر بالا حادیث والآثار ہے اور باضابطہ سندوں کے ساتھ اس میں روایات بیان کی گئی ہیں اور جہاں مولف نے ضرورت محسوس کی ہے جرح و تعدیل وغیرہ اصول سے کام بھی لیا ہے اور میں نے ان کے تذکرہ نگاروں میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا جس نے اس تفسیر سے زیادہ اور کچھ ہم سے بیان کیا ہو۔

قاری اپنی شرح نخبہ میں وضع کی بحث میں کہتے ہیں کہ واحدی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابی بن کعب سے مروی روایات ذکر کی ہیں جو ہر ہر صورت کی فضیلت کے بیان میں ہیں جیسا کہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے اور پھر دوسرے لوگ اپنی تفسیروں میں ان کی اتباع کرتے ہوئے وہ روایات ذکر کرتے چلے گئے ہیں مثلاً زمخشری اور بیضاوی اور ان تمام لوگوں نے ایسا کر کے غلطی کی ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے۔ جو بہت سی سورتوں کے فضائل میں روایات آتی ہیں جن میں سے صحیح بھی ہیں حسن بھی اور ضعیف بھی اور جنہیں عمادالدین بن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الدر المنثور فی التفسیر الماثور میں ذکر کیا ہے۔"

سیوطی تذکرۃ الحفاظ میں اور زرقانی شرح المواہب میں فرماتے ہیں۔

اِنَّہٗ لَمْ یُؤَلَّفْ عَلٰی نَمَطِہٖ مِثْلُہٗ

(شرح المواہب ص۳۴۱ ج ۱ مطبوعہ مصر)

اس طرز پر اس جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

خصوصیات

تفسیر بالماثور:۔ ماثور تفاسیر میں یہ تفسیر سب سے زیادہ مشہور ہے اور ابن جریر طبری کی تفسیر کے بعد معتبر ترین تفسیر شمار کی جاتی ہے۔ اس میں حافظ ابن کثیرؒ اس لحاظ سے ممتاز نظر آتے ہیں کہ وہ ایک آیت کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کی تفسیر

مختصر اور آسان عبارت سے کرتے ہیں۔ اور اگر قرآن کی قرآن سے وضاحت ہو سکے تو وہ آیات
لا کر ذکر کرتے ہیں حتیٰ کہ معنی اور مراد واضح ہو جاتی ہے۔ پھر احادیث، اقوال صحابہ اور تابعین
جو اس آیت سے متعلق ہوں، ذکر کرتے ہیں اور روایات و آثار کی صحت وسقم پر متنبہ فرماتے
ہیں۔ اکثر باتیں ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن عطیہ سے نقل کرتے ہیں۔ اسی لئے ذہبی کہتے
ہیں "مفسر" نقال"

اسرائیلیات پر تنبیہ :- ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں منکرات اسرائیلیات پر متنبہ فرماتے ہیں کہیں اجمالی طور پر اور کہیں بالتفصیل۔

مناقشات فقہیہ :- ابن کثیرؒ فقہی مناقشات کو ذکر کرتے ہیں اور اس میں علماء کے اقوال اور دلائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور آیات احکام
سے متعلق فقہی موشگافیوں کو کھول کر بیان فرماتے ہیں۔

بحر العلوم

اس تفسیر کے مؤلف ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی ہیں جو فقہاء احناف
میں سے ہیں۔ انہوں نے ابو جعفر ہندوانی سے فقہ حاصل کی اور اقوال مفیدہ کی کثرت اور
مشہور تصانیف کے لکھنے کی وجہ سے مشہور ہو گئے۔ ان کی مشہور تصانیف تفسیر بحر العلوم
اور فقہ میں کتاب النوازل اور خزانۃ الفقہ، تنبیہ الغافلین اور البستان مشہور ہیں ان کی
وفات ۳۷۳ھ میں ہوئی۔

صاحب کشف الظنون ج ۱ ص ۲۲۰ کا قول ہے

وَهُوَ كِتَابٌ كَبِيْرٌ فِيْهِ فَوَائِدُ جَلِيْلَةٌ اِنْتَخَبَهَا مِنْ كُتُبِ التَّفَاسِيْرِ وَاَضَافَ اِلَيْهَا فَوَائِدَ مِنْ عِنْدِهٖ بِعِبَارَاتٍ فَصِيْحَةٍ

وہ ایک بڑی اور زبردست فوائد کی حامل کتاب ہے اسے تفاسیر کی کتب سے منتخب
کیا ہے اور اپنی طرف سے فصیح عبارت کا اس میں اضافہ کیا ہے۔

یہ تفسیر تفسیر بالماثور ہے صحابہ و تابعین سے منقولہ روایات کو ذکر کرتا ہے۔ تفسیر کے شروع میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں تفسیر کے علوم سیکھنے پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ اور تفسیر بالرائے کے عدم جواز کا فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اِنَّہٗ لَا یَجُوْزُ لِاَحَدٍ یُفَسِّرُ الْقُرْآنَ بِرَاْیِہٖ مِنْ ذَاتِ نَفْسِہٖ مَالَمْ یَتَعَلَّمْ اَوْ یَعْرِفْ وُجُوْہَ اللُّغَۃِ وَاَحْوَالِ التَّنْزِیْلِ

یعنی کوئی شخص جب تک کہ لغت عرب اور شانِ نزول کے حالات سے واقف نہ ہو تو اُس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ قرآن کی تفسیر اپنی رائے کے ساتھ خود بخود شروع کر دے۔

(مقدمہ بحر العلوم)

تفسیر قرطبی

یہ ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری کی تصنیف ہے۔ اس کا پورا نام "اَلْجَامِعُ لِاَحْکَامِ الْقُرْآنِ وَالْمُبَیِّنُ بِمَا تَضَمَّنَ مِنَ السُّنَّۃِ وَآیِ الْفُرْقَانِ" ہے اس تفسیر کا مصنف مالکی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ نہایت ہی عابد اور زاہد تھے۔ چنانچہ اُن کے بارے کہا گیا ہے۔

کَانَ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ وَالْعُلَمَاءِ الْعَارِفِیْنَ الْوَرِعِیْنَ الزَّاہِدِیْنَ فِی الدُّنْیَا الْمَشْغُوْلِیْنَ بِمَا یَعْنِیْہِمْ مِنْ اُمُوْرِ الْآخِرَۃِ

(قرطبی ج اوّل ص۱ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے تھے جو نیک، صاحب علم، متقی دنیا سے بے رغبت اور امور آخرت پر معاون چیزوں میں مشغول رہنے والے تھے۔

صاحب نفح الطیب کا قول ہے۔

اِنَّہٗ مِنَ الرَّاحِلِیْنَ مِنَ الْاَنْدَلُسِ

ترجمہ:۔ یقیناً وہ اندلس سے کوچ کرنے والے حضرات میں سے تھے۔

آپ نے ۶۷۱ھ میں وفات پائی۔

کچھ تفسیر کے بارے میں :۔ اس تفسیر کے متعلق حاجی خلیفہ کا قول ہے کہ

وَهُوَ مِنْ اَجَلِّ التَّفَاسِيْرِ وَاَعْظَمِهَا نَفْعًا " (کشف الظنون)

ترجمہ :۔ وہ ایک جلیل القدر اور نہایت ہی نفع مند تفسیروں میں سے ایک ہے۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ

وَهُوَ كِتَابٌ كَبِيْرٌ مَشْهُوْرٌ بِتَفْسِيْرِ الْقُرْطُبِيْ

(کشف الظنون ص۵۳ ج اول)

یعنی " یہ بہت بڑی کتاب ہے جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے "

یہ تفسیر بائیس ۲۲ جلدوں میں ہے اس کا اختصار سراج الدین عمر بن علی نے کیا ہے۔ یہ ایک عظیم المرتبہ اور جلیل القدر تفسیر ہے۔ مصنف نے تمام تفسیری مباحث کو لیا ہے البتہ تاریخی واقعات کی تفصیلات ذکر کرنے کے بجائے اُنہوں نے احکام القرآن کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ مصنف مالکی مذہب کے پیرو تھے۔ اس لئے فقہی مسائل میں وہ عام طور پر اپنے مسلک کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرأت اعراب اور ناسخ ومنسوخ کی بحثوں کو بھی بالتفصیل لیا ہے۔ سوائے تاریخی پہلو کے اور ہر لحاظ سے یہ ایک جامع تفسیر ہے۔ مصنف نے احادیث اور اقوال کا مکمل حوالہ دینے کا اہتمام کیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ علم کی برکت ہے۔

علامہ ابو محمد عبداللہ بن محمد کہتے ہیں۔

وَقَدْ سَارَتْ بِتَفْسِيْرِهِ الْعَظِيْمِ الشَّانِ الرُّكْبَانُ

اس کی تفسیر عظیم الشان کی بدولت شہسواروں نے سیر کی ہے۔

ترجمہ امام شوکانی ملحق فتح القدیر ص ج اوّل مطبوعہ مصر)

علامہ کتبی اپنی تاریخ میں کہتے ہیں کہ ان کی مفید تصانیف ہیں۔

مِنْهَا تَفْسِيْرُ الْقُرْآنِ مَلِيْحٌ اِلَى الْغَايَةِ

جن میں ایک قرآن کی تفسیر ہے جو بے انتہا نمکین ہے۔

الدر المنثور فی التفسیر الماثور

اس تفسیر کے مؤلف حافظ جلال الدین سیوطیؒ ہیں۔ جو شافعی المسلک ہیں۔ امام سیوطیؒ کا سن پیدائش ۸۴۹ھ ہے۔ آپ ابھی پانچ چھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا۔ آپ نے کئی کتابوں کے متن (TEXT) یاد کئے اور بہت سے شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ داؤدی جو آپ کا شاگرد ہے اس نے اکاون کے قریب آپ کے شیوخ شمار کئے ہیں اس نے آپ کی تالیفات کا اعداد و شمار بھی کیا ہے جو پانچ سو کے قریب ہیں۔ داؤدی کے بیان کے مطابق تفسیر و قرآن سے متعلق ان کی ۴۲ تالیفات ہیں۔ آپ بلا کے لکھنے والے تھے آپ کا شاگرد مذکور کہتا ہے کہ

عَایَنْتُ الشَّیْخَ وَقَدْ کَتَبَ فِیْ یَوْمٍ وَاحِدٍ ثَلَاثَۃَ کَرَارِیْسَ تَالِیْفاً وَتَحْرِیْراً (التفاسیر والمفسرون)

میں نے دیکھا کہ شیخ نے ایک دن میں تین رسالے (پمفلٹ) تالیف و تصنیف کئے۔

علم و حدیث میں بھی آپ اپنے اہل زمانہ پر فوقیت رکھتے تھے خود اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ "مجھے دو لاکھ احادیث یاد ہیں اور اگر مجھے اور احادیث بھی مل جاتیں تو یاد کر لیتا"۔ آپ جب چالیس برس کو پہنچے تو پھر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور تدریس و افتاء کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جمعہ کی رات سحری کے وقت ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

کچھ تفسیر کے بارے میں :۔ اتقان میں خود جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ جَمَعْتُ کِتَاباً مُسْنَداً فِیْہِ تَفَاسِیْرُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی میں نے ایک مسند کتاب جمع کی ہے جس میں حضورؐ کی (آیات کے متعلق) تفسیریں ہیں۔

اور درِ منثور کے مقدمہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔

"پھر جب میں نے کتاب ترجمان القرآن کو تالیف کیا یعنی وہ تفسیر جس کی سند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اور اس کی تکمیل کئی جلدوں میں ہوئی۔ اور کثیر طرق سے میں نے آثار کو اُن سندوں کے ساتھ وارد کیا جن کی مختلف کتابوں سے تخریج کی گئی تھی۔ تو میں نے جانچ لیا کہ ہمتیں اس کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں اور لوگوں کی رغبت اسناد و تطویل کے سوا صرف متونِ احادیث پر بند ہے تو میں نے اُس سے اس کتاب کو مختصر کیا اور صرف حدیث کے متن پر اکتفاء کیا اور اس کا نام "الدر المنثور فی التفسیر الماثور" رکھا۔ (ج ۱ صہ ۲)

صاحب فتح القدیر کی رائے:۔ صاحب فتح القدیر مقدمہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"ہاں یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ تفسیر سیوطی موسومہ "درمنشور" ان روایات پر مشتمل ہے جو سلف کی تفاسیر میں سے ان تفاسیر سے متعلق ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع ہیں اور اُن میں سے بجز چند کے مؤلف نے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔"

(فتح القدیر ج ۱ صہ ۴ مطبوعہ مصر)

مولانا حقانی کی رائے:۔ تفسیر حقانی کے مصنف مولانا عبدالحق حقانی فرماتے ہیں

"درمنشور جلال الدین سیوطیؒ کی تصنیف ہے اس میں کثرت سے منقولات ہیں لیکن رطب ویابس۔"

(مقدمہ تفسیر حقانی جلد اول صہ ۱۵۱ مطبوعہ دہلی)

خصوصیات:۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے تفسیر بحسب الآثار ہونا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اس تفسیر میں سلف سے جتنی روایات تفسیر سے متعلق تھیں نقل کر ڈالی ہیں۔ اور اُن کے راویوں کی نہ تو جرح و تعدیل کی ہے اور نہ ہی صحیح و سقیم روایات پر متنبہ کیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ روایات بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا اور ان کے ماسوا سے نقل کی ہیں۔

امام جلال الدین کی یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے اور اہل علم میں متداول ہے۔

لیکن کانٹ چھانٹ کی محتاج ہے۔

تفسیر بالرائے سے اجتناب: تفسیر بالرائے سے مکمل طور پر اجتناب کیا گیا ہے اور روایات کے ساتھ کسی جگہ پر اپنی رائے کو دخل نہیں دیا جیساکہ دوسرے مفسرین کی عادت ہے۔

تفسیر الجلالین

اس تفسیر کو دو جلیل القدر اماموں نے تالیف کیا ہے یعنی جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطیؒ۔ دو جلال مصنف ہونے سے یہ تفسیر جلالین کہلائی۔ سورۂ اسراء سے لے کر آخر تک جلال الدین محلی شافعی متوفی ۸۶۴ھ کی تصنیف ہے جب وہ ناتمام چھوڑ کر فوت ہوگئے تو اسی طرز پر امام جلال الدین سیوطیؒ نے چھ سال بعد اس کو تمام کیا اور الحمد کی تفسیر بھی آپ ہی نے لکھی۔ جلال الدین سیوطیؒ کے حالات تو پہلے الدر المنثور میں بیان کئے جاچکے ہیں۔ جلال الدین محلی کے حالات ملاحظہ فرمایئے۔

جلال الدین محلیؒ: امام جلال الدین محلی ۷۹۱ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور علوم میں سے علم فقہ، علم کلام، علم اصول نحو اور منطق وغیرہ میں مشغول ہوگئے۔ بڑے بڑے ائمہ سے علم حاصل کیا۔ نہایت ذکی اور فہیم تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے بعض اہل عصر کا بیان ہے۔

اِنَّ ذِهْنَهٗ يَثْقِبُ الْمَاسَ (التفاسیر والمفسرون)

(بے شک اس کا ذہن اس شخص کا بھی سوراخ کر دیتا ہے جو کسی کی نصیحت قبول نہ کرے) خود اپنے بارے فرماتے ہیں۔

اِنَّ فَهْمَهٗ لَا يَقْبَلُ الْخَطَاءَ (ایضاً)

یعنی (میرا فہم غلطی قبول نہیں کرتا)

امام جلال الدین محلیؒ اُن حق گو علماء میں سے تھے جنہیں حق کی خاطر ملامت کا خوف نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے ظالم اور جابر حکام کو برسرِعام حق کی بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے اور ایسے لوگوں کو جب وہ ملاقات کے لئے آتے تھے تو نہ اُن کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور

نہ ہی انہیں اندر آنے کی اجازت دیتے تھے۔ بڑی سخت طبیعت کے مالک تھے۔ اور بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے آپ کو قضاء اکبر (CHIEF JUSTICE) کا عہدہ پیش کیا گیا تو قبول نہ فرمایا۔ اور فقہ کی درس وتدریس میں مشغول رہے۔ آپ نے بہت سی کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے شرح جمع الجوامع فی الاصول اور شرح المنہاج فی فقہ الشافعیہ زیادہ مشہور ہیں آپ نے ۸۶۴ھ میں وفات پائی۔

کچھ تفسیر کے بارے میں:۔ اس تفسیر کی خوبیوں پر بحث کرتے ہوئے حاجی خلیفہ صاحب مؤلف کشف الظنون فرماتے ہیں۔

وَهُوَ مَعَ كَوْنِهِ صَغِيْرًا لِحَجْمِ كَبِيْرًا لْمَعْنٰى لِاَنَّهٗ لُبُّ لُبَابِ التَّفَاسِيْرِ (کشف الظنون ج ۱ ص ۴۴۵)

ترجمہ: چھوٹا حجم ہونے کے باوجود تفسیر معنیٰ خیز ہے اس لئے کہ یہ تفسیروں کا نچوڑ ہے۔

ہلالین (شرح جلالین) کی تقریظ پر مولانا محمد اعلم کہتے ہیں۔

وَمِنَ الْمُدَوَّنَاتِ فِيْهِ التَّفْسِيْرُ الْمُسَمّٰى بِالْجَلَالَيْنِ الَّذِيْ لِجَلَالَةِ قَدْرِهٖ وَاشْتِهَارِهٖ فَاقَ الْقَمَرَيْنِ ..... فَهُوَ وَاِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ اللَّفْظِ اَوْجَزُ التَّفَاسِيْرِ لٰكِنَّهٗ بِحَسْبِ الْمَعْنٰى فِيْ عُلُوِّ مَدَارِجِهٖ وَكَثْرَةِ اَنْوَارِهٖ كَالْقَمَرِ الْمُنِيْرِ حَارَتِ الْعُقُوْلُ فِيْ اِدْرَاكِ مَعَانِيْهِ وَكَلَّتِ الْاَفْهَامُ فِيْ تَحْقِيْقِ مَبَانِيْهِ

تفسیر پر تصنیف شدہ کتابوں میں سے ایک تفسیر مسمیٰ جلالین ہے جو اپنی بلندیٔ مرتبہ اور شہرت کی بنا پر چاند سورج سے بڑھ گئی ہے۔ وہ اگرچہ لفظاً مختصر ترین تفسیر ہے لیکن بلندی درجات اور انوار کے بہتات کے باعث بدر منیر کے مانند ہے۔ عقلیں جس کے معانی کے ادراک سے حیران ہیں اور اس کے الفاظ کی تحقیق کی وجہ سے فہم بوجھل ہو چکے ہیں۔

اسی طرح مولانا جمیل احمد ہلالین کی تقریظ پر جلالین کے بارے فرماتے ہیں۔

كَثِيْرٌ مَعْنَاهُ وَقَلِيْلٌ لَفْظُهٗ . حَاوٍ لِمَا يَجِبُ اِسْتِحْضَارُهٗ وَحِفْظُهٗ عَوِيْصٌ حِلُّهٗ . وَهُوَ وَجِيْزٌ وَمَعَ الْاِيْجَازِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْعُسْرِ وَالْاِعْجَازِ

اس کے لفظ کم اور معنیٰ زیادہ ہیں جس چیز کا حفظ کرنا اور مستحضر کرنا ضروری ہے۔ اُن (مسائل) کو حاوی ہے۔ اس کا کثیر حصّہ دقیق ہے جس کا حل کرنا مشکل ہے۔ وہ مختصر ہے لیکن اختصار کے باوجود مشکل اور اعجاز سے خالی نہیں ہے۔

یمن کے بعض علماء کا کہنا ہے کہ "میں نے قرآن پاک کے حروف شمار کئے۔ اور تفسیر جلالین کے بھی۔ تو سورۂ مزمل تک انہیں مساوی پایا اور سورۂ مدثر سے تفسیر کے حروف قرآن سے زائد ہیں اس لئے اسے بے وضو اٹھانا جائز ہے۔"

(کشف الظنون صہ ۴۴ ج ۱ مطبوعہ استنبول)

نمایاں پہلو:

۱۔ اس کتاب میں ارجح اقوال پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۲۔ جہاں اعراب لگانے کی ضرورت ہے وہاں اعراب لگائے گئے ہیں۔

۳۔ مختلف اور مشہور قرأتوں پر متنبہ کیا گیا ہے۔

۴۔ ناپسندیدہ اور طویل باتوں سے اعراض کیا گیا ہے۔ اور ایک لطیف طریقے سے مختصر تعبیر کی گئی ہے۔

تفسیر جلالین کی شرحیں:

۱۔ حاشیہ شمس الدین محمد بن العلقمی کا جس کا نام "قبس النیرین" ہے۔

۲۔ "جمالین" جسے نورالدین علی ابن سلطان محمد القاری نے لکھا۔

۳۔ شرح جلالین جو محمد بن محمد الکرخی کی ہے جس کا نام "مجمع البحرین و مطلع البدرین" ہے۔

۴۔ ہلالین

۵۔ کمالین

۶۔ جمل۔

ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا الکتاب الکریم

اس تفسیر کے مولف ابو السعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی ہیں۔ جو قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں میں ۸۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق علمی گھرانے سے تھا جیسا کہ بعض علماء نے ان کے بارے کہا ہے۔

تَرَبّٰی فِیْ حُجْرِ الْعِلْمِ حَتّٰی رَبَا وَارْتَضَعَ ثُدْیَ الْفَضْلِ اِلٰی اَنْ تَرَعْرَعَ وَحَبَا، وَلَازَالَ یَخْدِمُ الْعُلُوْمَ الشَّرِیْفَۃَ حَتّٰی رَحُبَ بَاعُہٗ، وَامْتَدَّ سَاعِدُہٗ وَاشْتَدَّ اِتِّسَاعُہٗ

(التفاسیر والمفسرون)

ترجمہ: علم کی گود میں پرورش پائی۔ یہاں تک کہ بڑھ گئے اور فضیلت کا دودھ پیا حتیٰ کہ جوان ہوگئے اور ہمیشہ علوم شریفہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ ان کا باع کشادہ ہوگیا۔ کلائی لمبی ہوگئی اور فراخی میں اضافہ ہوگیا۔

آپ نے اکثر کتب اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور جلیل القدر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے بہت مستفید ہوئے یہاں تک کہ آپ بہت مشہور ہوگئے اور ترکی کے اکثر مدارس میں درس و تدریس کے متولی ہوئے۔ اس کے بعد بروسہ کی قضاء پر مامور ہوئے۔ پھر قسطنطنیہ میں عہدہ قضاء پر فائز ہوئے۔ پھر روم کے علاقہ ایلی میں یشکر کی ولایت کی قضاء آپ کو سونپی گئی اور آٹھ سال تک قضاء کے عہدہ پر فائز رہے۔ اس کے بعد فتویٰ کی ولایت ان کے سپرد ہوئی۔ منصب افتاء پر تقریباً تیس سال رہے یہاں تک کہ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔

آپ کے فتویٰ کے بارے ذکر کیا گیا ہے کہ سائل جیسے خطاب کرتا تھا۔ اسی طریقہ پر جواب لکھتے تھے۔ اگر سوال منظوم ہوتا تو جواب بھی اسی طرح منظوم ہوتا اور ان دونوں (سوال۔ جواب) میں نظم اور قافیہ بھی ایک جیسا ہوتا۔ اور اگر سوال نثر میں ہوتا اور عبارت مسجع ہوتی تو جواب بھی ویسا ہوتا۔ اگر عربی میں سوال ہوتا تو جواب عربی لغت میں دیتے اور اگر ترکی زبان میں ہوتا تو ترکی میں جواب دیتے۔ ان کے

بارے میں اُن کے ایک ساتھی کا کہنا ہے جو بقول محمد حسین ذہبی اس نے اس کی تعریف میں غلو نہیں کیا ۔

ع
مَا الْعِلْمُ اِلَّا مَا حَوَيْتَ حَقِيْقَةً
وَعُلُوْمُ غَيْرِكَ فِي الْوَرٰى كَسَرَابٍ

ترجمہ : علم حقیقۃً وہی ہے جس کا تو نے احاطہ کر لیا ہے ۔ اور تیرے علم کے سوا کائنات کے باقی علوم سراب کی مانند ہیں ۔

کچھ تفسیر کے بارے میں :۔

علامہ ابو السعود تدریس، قضاء اور افتاء کے کام میں بہت عرصہ تک منہمک رہے اور اس دوران اپنی تفسیر کے لئے کچھ وقت نکالا جس کا مؤلف نے اپنے مقدمہ تفسیر میں اقرار کیا ہے ۔ ذکر کیا گیا ہے کہ جب ابتداء سے سورہ ص تک پہنچے تو شواغل عارض ہونے کی وجہ سے اس حد پر ٹھہرنا پڑا ۔ اس حصہ کو جب باب عالی کی طرف بھیجا تو سلطان خاں نے اسے بخوبی قبول کیا اور اس پر انعام دیا اور اس کے ہر روز کے وظیفہ میں پانچ سو درہم کا اضافہ کیا پھر اس کے بعد اُسے اس کی تکمیل آسان ہو گئی اور سال بعد اسے مکمل کر لیا۔ پھر اسے سلطان کی طرف دوبارہ بھیجا تو سلطان (KING) نے اسے بڑے لطف و انعام سے قبول کیا اور دوبارہ اس کا وظیفہ (SCHOL ARSHIP) بڑھا دیا ۔

محمد حسین ذہبی اس تفسیر کے بارے کہتے ہیں ۔

وَالْحَقُّ اَنَّ هٰذَا التَّفْسِيْرَ غَايَةٌ فِي بَابِهٖ وَنِهَايَةٌ فِي حُسْنِ الصَّوْغِ وَجَمَالِ التَّعْبِيْرِ كَشَفَ فِيْهِ صَاحِبُهٗ عَنْ اَسْرَارِ الْبَلَاغَةِ الْقُرْآنِيَّةِ بِمَا لَمْ يَسْبِقْ اَحَدٌ اِلَيْهِ

(التفاسیر والمفسرون)

حق بات یہ ہے کہ یہ تفسیر فن تفسیر میں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے اور بہترین نمونہ اور عمدہ تعبیر والی ہے ۔ اس میں اس کے مصنف نے قرآن کی بلاغت کے ایسے اسرار کھولے ہیں جن تک اُن سے پہلے کوئی نہیں پہنچ سکا ۔

اس تفسیر کی اکثر اہل علم نے داد دی ہے ۔ صاحب عقد المنظوم افاضل روم کے تذکرہ میں بیان فرماتے ہیں ۔

وَقَدْ اَتىٰ فِيْهِ بِمَا لَمْ تَسْمَعْ بِهِ الْاَزْمَانُ وَلَمْ تَقْرَعْ بِهِ الْآذَانُ، فَصَدَقَ الْمَثَلُ السَّائِرُ كَمْ تَرَكَ الْاَوَّلُ لِلْآخِر

وہ اس میں ایسی چیزوں کو بیان فرما گئے ہیں جن کے ساتھ ازمنہ ماقبل نے سخاوت نہیں کی۔ اور نہ ہی یہ باتیں کانوں تک پہنچیں۔ تو مشہور مثال صادق آئی کہ بہت سی باتیں پہلوں نے پچھلوں کے لئے چھوڑی ہیں۔

مولف فوائد البھیہ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں۔

وَقَدْ طَالَعْتُ تَفْسِيْرَهٗ، وَانْتَفَعْتُ بِهٖ وَهُوَ تَفْسِيْرٌ حَسَنٌ، لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمِلِّ، وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُخِلِّ، مُتَضَمِّنٌ لَطَائِفَ وَنِكَاتٍ، وَمُشْتَمِلٌ عَلىٰ فَوَائِدَ وَاشَارَاتٍ

میں نے اُن کی تفسیر کا مطالعہ کیا اور اس سے نفع حاصل کیا۔ وہ ایک عمدہ تفسیر ہے نہ اتنی طویل کہ تھکا دے نہ اتنی طویل کہ (مفہوم واضح کرنے میں) خلل انداز ہو۔ یہ تفسیر عمدہ باتوں اور اعلیٰ نکات پر مشتمل ہے اور اس میں فوائد اور اشارات موجود ہیں۔

صاحب کشف الظنون کہتے ہیں۔

اُنْتَشَرَتْ نُسْخَةٌ فِى الْاَقْطَارِ وَقَعَ لَهٗ التَّلَقِّىْ بِالْقَبُوْلِ فِى الْفُحُوْلِ الْكِبَارِ، لِحُسْنِ سَبْكِهٖ وَلُطْفِ تَعْبِيْرِهٖ، فَصَارَ يُقَالُ لَهٗ خَطِيْبُ الْمُفَسِّرِيْنَ، وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ تَفْسِيْرَ اَحَدٍ سِوَاهُ بَعْدَ الْكَشَّافِ وَالْقَاضِىْ لَمْ يَبْلُغْ اِلىٰ مَا بَلَغَهٗ مِنْ رُتْبَةِ الْاِعْتِبَارِ۔ (کشف الظنون ص ۶۰ ج ۱)

اس کے نسخہ جات روئے زمین کے اطراف میں پھیل چکے ہیں۔ یہ تفسیر بڑے بڑے ائمہ سے مقبولیت حاصل کر چکی ہے کیونکہ اس کی ترتیب (ڈھلائی) بہت بہترین اور اس کی تعبیر نہایت ہی نفیس ہے۔ اسی لئے اُسے خطیب المفسرین کہا جاتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ کشاف اور قاضی کی تفسیر کے علاوہ کسی کی تفسیر اس کے رتبہ اعتبار کو نہیں پہنچی۔

نمایاں پہلو :

بلاغت قرآنی کے تمام گوشوں اور اس کے نظم اور اسلوب کے رازوں

(SECRETS) کو واضح کرنے کا اہتمام کرتا ہے اور اس پر بڑا فریفتہ نظر آتا ہے۔ خاص کر فصل وصل، ایجاز و اطناب اور تقدیم و تاخیر وغیرہ کے باب میں اور قرآنی تراکیب جن معانی دقیقہ کی متحمل ہیں ان کے واضح کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اور ان چیزوں کو سوائے اس شخص کے جو لغت عرب کی باریکیوں کو پہچاننے کے لئے خطِ وافر دیا گیا ہو غالب نہیں آسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ ابوالسعود اس فن میں مفسرین میں اوّل درجہ رکھتے ہوں۔

ربط آیات و بیان قرآت: ابوالسعود آیات کے درمیان مناسبات کی وجوہ بیان کرتا ہے اور کبھی کبھی قرأتوں کے ذکر کے درپے ہوتا ہے لیکن ان میں اسی قدر دخل اندازی کرتا ہے جس سے معنیٰ واضح ہوجائیں۔

اسرائیلی روایات کی قلت: اسرائیلی روایات کا ذکر کم کرتا ہے۔ اگرچہ ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد ان کا تعاقب نہیں کرتا۔ تاہم ذکر کرتے وقت رُوِیَ (روایت کیا گیا ہے) اور قِیْلَ (کہا گیا ہے) کے الفاظ استعمال کرتا ہے جو ضعیف ہونے کی علامت ہیں۔

بعض متہم بالکذب سے روایت: بعض قصے کلبی عن ابی صالح سے ذکر کرتا ہے جس کے بارے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ کلبی نے موت کے وقت کہا تھا۔

"کُلُّ شَیْئٍ حَدَّثْتُکُمْ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ کَذِبٌ"

یعنی مدہر وہ بات جو میں نے تمہیں ابوصالح سے بیان کی ہے جھوٹ ہے" البتہ ابوالسعود ان قصّوں کو بیان کرنے کے بعد " واللہ تعالیٰ اعلم " کے الفاظ ذکر کر دیتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ انہیں ان قصّوں کی صحت اور صداقت میں شک ہے۔

مسائل فقہیہ کی کمی: اس تفسیر میں فقہی مسائل بہت کم بیان کئے گئے ہیں بعض آیات پر مذاہب کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ادلہ مذھبیہ سے اجتناب کیا گیا ہے۔

وجوہِ اعراب: نحوی پہلو کے بھی کبھی کبھی درپے ہوتے ہیں اگر کوئی آیت بلحاظ اعراب کئی وجوہ کی متحمل ہوتی ہے تو آیت میں

اعراب کے اختلاف کو ذکر کرکے ایک کو ترجیح دے دیتے ہیں اور اس ترجیح پر دلائل پیش کرتے ہیں۔

یہ کتاب پانچ اجزاء پر مشتمل ہے۔

مدارک التنزیل وحقائق التاویل

اس تفسیر کے مؤلف عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی ہیں جو کہ اپنے زمانہ کی عدیم المثال شخصیت تھے۔ ان کا شمار معتبر ائمہ میں سے بڑے زاہد اور متقی شخص تھے۔ فقہ اور اصول فقہ کے امام تھے۔ حدیث اور معانی حدیث پر کامل عبور حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ نسفی نسف کی طرف نسبت ہے جو ماوراء النہر میں ایک علاقہ کا نام ہے۔

دیگر تصانیف: آپ کی تصانیف تفسیر کے علاوہ اور فنون میں بھی ہیں مثلاً متن الوافی فی الفروع، کنز الدقائق، اصول فقہ میں "المنار" اور العمدہ فی اصول الدین وغیرہ۔ آپ شمس الائمہ کردی کے شاگرد رشید تھے۔

آپ کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی اور اَیذج (اَیذَج بروزن اَحمَد کردستان کا شہر ہے) شہر میں دفن کئے گئے۔

کچھ تفسیر کے بارے میں: تفسیر مدارک بیضاوی اور کشاف کا خلاصہ ہے۔ مگر اس میں معتزلی عقائد کو چھوڑ کر اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر حشو وزوائد سے خالی ہے لیکن بالکل اقتصار پر مبنی نہیں ہے۔ اس میں کشاف کے نکات بلاغت اور علم بدیع اور معانی کو بھی اپنایا گیا ہے اور زمخشری کے طرز سوال وجواب کو بھی۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔

خود فرماتے ہیں مجھ سے بعض لوگوں نے ایسی کتاب کے بارے میں سوال کیا جو تاویلات میں درمیانی قسم کی ہو اور وجوہ اعراب اور مختلف قرأتوں کی جامع ہو اور

علم بدیع اور اشارات کو شامل ہو اور اہل سنت والجماعۃ کے اقوال کو محیط ہو۔ اہل بدعت کے باطل اقوال سے خالی ہو۔ نہ تو اتنی طویل ہو کہ تھکا دے نہ اتنی مختصر ہو کہ معنی سمجھنے میں مخل ہو...... چنانچہ میں نے اُن کے سوال کو قبول کیا اور باوجود بہت سی مشکلات کے اس کام کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شروع کیا اور تھوڑے سے عرصے میں اس کو مکمل کر لیا۔ اور اس کا نام " مدارک التنزیل وحقائق التاویل" رکھا۔

(مدارک ج ۱ ص ۲ مطبوعہ مصر)

تفسیر کے نمایاں پہلو

اس میں اعراب و قرأت کو جمع کیا گیا ہے اور نحوی مسائل سے مختصر طریقہ پر بحث کی گئی ہے۔

قرأت کا اختلاف ، سات متواتر قرأت کو ذکر کرتے ہیں اور ہر قرأت کے قاری کا نام بھی بتلاتے ہیں۔

مسائل فقہیہ کا تذکرہ :۔ آیات احکام پر مسائل فقہیہ کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے لیکن لمبی چوڑی بحثوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ حنفی مذہب کی حمایت کرتے ہیں۔

اسرائیلیات کے بارے مصنف کا موقف :۔ اسرائیلیات کا تذکرہ بہت کم کرتے ہیں بعض دفعہ ذکر کر کے ان کی تردید کرتے ہیں مثلاً

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ

پر ایسی روایات ذکر کرتے جو اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت کے منافی نہیں ہیں تاہم کہتے ہیں " کہ خاتم اور شیطان اور سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بتوں کی پوجا کے بارے میں کچھ باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ فمن اباطیل الیہود۔ (پس یہ یہود کی بیہودہ باتیں ہیں۔)

لباب التاویل فی معانی التنزیل للخازن

صاحب کشف الظنون اس تفسیر کا تعارف یوں کراتے ہیں۔

"یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے اور شیخ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی (متوفی ۷۴۱ھ) کی تالیف ہے جو خازن کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف اپنی اس تالیف سے ۷۲۵ھ میں فارغ ہوئے اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے

الحمد لِلہ الذی خلق الاشیاء فقدرھا۔"

(کشف الظنون ص ج ۲ ۱۵۴۰ مطبوعہ استنبول)

علامہ خازن شافعی المسلک تھے اور دمشق کی خانقاہ سمیساطیہ کے کتب خانہ کے خازن (LIBRARIAN) ہونے کی وجہ سے خازن مشہور ہوگئے بغداد میں ۶۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے صوفی مزاج، اوصاف حمیدہ کے مالک ہشاش بشاش چہرے والے اور لوگوں سے نہایت الفت و محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آنے والے تھے آپ نے بغداد میں ابن الدوالیبی سے تحصیل علم کیا اور پھر دمشق کا سفر کیا اور قاسم ابن مظفر وغیرہ سے علم حاصل کیا۔

کچھ تفسیر کے بارے میں

یہ تفسیر دراصل امام بغویؒ کی معالم التنزیل اور اس سے ماقبل تفاسیر کے منتخبات ہیں خود کہتے ہیں کہ معالم التنزیل جبکہ بڑی جامع کتاب تھی اور اس میں ایام گذشتہ کے حالات اور قصے وغیرہ بیان کیے گئے تھے اس لئے میں نے چاہا کہ اس میں سے مفید باتوں کو منتخب کرکے ان کو ایک جگہ جمع کردوں اور اس میں سے اسناد کو حذف کردوں چنانچہ ایسا کیا گیا اور اس کا نام میں نے " لباب التاویل فی معانی التنزیل " رکھا۔ (الملخص)

(تفسیر خازن ص ج ۱ ۳ مطبوعہ مصر)

تفسیر خازن کے بارے میں تفسیر نبوی مولفہ فقیر محمد نبی بخش میں کہے گئے چند پنجابی اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن میں تفسیر خازن کا صحیح نقشہ سماجاتا ہے۔

خازن والا وڈا محدث وچ بغداد ٹکاناں
محی السنتہ لقب اتے صوفی شافعی مرد سیاناں
نام علاؤالدین علی او حامی دین نبی دا
امام ائمہ رہبر امت ستھرا صاف عقیدہ
وچ ستویں صدی پیدائش اٹھویں وچ تفسیر بنائی
جاں اس گذری اٹھویں اندک خازن تو پچھائی
گر اختصار معالم دے اس کل مضمون الائے
ہور حذف اسناد کیتے اُس تا جو طول نہ کجھ ہو جائے
بغوی با اسناد لکھے پر حذف نشان کتاباں
تے خازن کتب علامت لکھدا جاوے کل اجباں
بھی شرح مجیب لکھے الفاظاں ہور معالم ناوں
لکھدا اوہ حدیثاں ہور فوائد بہت کماوں
ہور قصص ضعیف اتے باطل بعض جو بغوی نقل کریندا
جو عصمت نبیاں کنوں مخالف خازن رد فریندا
ترتیب عجیب سہولت دا فرکاران اہل طلب دے
بھی اختلاف کیتے اس ظاہر جیونکر وچ کتب دے
مغضوبی فرقیاں دا بھی نالے رد کرے ہر جائیں
کامل مرد اندر ہر فن دے فوقیت اُس تائیں
جلالین سندا جو حاشیہ جمل اوہ نقلاں خازن لیاوے
اوہ تفسیر جمل اندر جو نہ جلداں خوب سہاوے
اوہ وڈا علامہ شافعی مذہب جس جمل بنائی
تاں بھی خوشہ چین خازن دا ہے اوہ اہل صفائی
خازن حاوی معالم نوں ناہ معالم خازن تائیں
خازن پاسوں معالم اکثر ستھیے مقدم تائیں

تفسیر شروع کرنے سے قبل پانچ فصلیں باندھی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) الفصل الاول فی فضل القرآن وتلاوتہ وتعلیمہ

(۲) الفصل الثانی وعید من قال فی القرآن برایہ من غیر علم

(۳) الفصل الثالث فی جمع القرآن وترتیب نزولہ وفی کونہ نزل علی سبعۃ احرف۔

(۴) الفصل الرابع فی کون القرآن نزل علی سبعۃ احرف وما قیل فی ذلک

(۵) الفصل الخامس فی معنی التفسیر والتاویل۔

خصوصیات :-

اس کتاب میں اسرائیلیات کا مواد بہت زیادہ ہے اسی وجہ سے مؤلف پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس نے اپنی تفسیر کو اسرائیلیات سے بھر دیا ہے۔ اسرائیلی قصص کو ذکر کرنے کے بعد اس کا تنقیدی جائزہ نہیں لیتے اور اس کے ضعیف و باطل ہونے کو بہت کم بیان کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ ایسے واقعات جو مقام نبوۃ میں مخل ہوتے ہیں ان پر بھی نقد و نظر نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر وہب بن منبہ سے مذکور ایک طویل قصہ سے کرتے ہیں اور اس پر جرح نہیں کرتے حالانکہ وہ عقلاً و نقلاً مقام نبوۃ کے منافی ہے۔

تاریخی حالات : قرآن پاک میں نبی اکرمؐ کے غزوات وغیرہ کا جو ذکر آتا ہے وہاں پر تاریخی مواد کو جمع کر دیا ہے جس سے اس کی وضاحت مطلوب ہے مثلاً احزاب وغیرہ۔

فقہی اختلافات :- فقہی فروعات کو تفسیر میں بہت نقل کیا گیا ہے مثلاً سورۂ بقرہ میں الذین یؤلون من نسائھم الآیۃ کی تفسیر میں پانچ فروعات ذکر کرتا ہے۔ اسی طرح قرور، ظہار اور خلع والی آیات میں فروعی مسائل کو ذکر کرتا ہے۔

مواعظ کی کثرت: اس تفسیر میں مواعظ کا بیان اکثر آتا ہے اور اس کے لئے ترغیب و ترہیب والی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

احادیث کیلئے اصطلاحات: چونکہ اس میں احادیث بلا اسناد ہیں۔ اس کے لئے اصطلاحات (TERMS) وضع کی ہیں۔ تاکہ احادیث کو اپنی کتابوں سے اخذ کیا جا سکے مثلاً بخاری کے لئے خ مسلم شریف کے لئے م دونوں کے لئے ق وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر ماثور: مناہل العرفان ص۵۳۷ میں مرقوم ہے کہ یہ تفسیر بالماثور مشہور ہے البتہ اس میں سندیں ذکر نہیں کی گئیں اور یہ کہ مصنف اپنی اس کتاب میں روایات و قصص بکثرت بیان کرنے میں خاصہ انہماک رکھتے ہیں لیکن قابل تعریف بات یہ ہے کہ وہ حکایات و قصص کے بیان کے بعد اُن میں جو باطل باتیں ہوں وہ ظاہر کر دیتے ہیں تاکہ کوئی ناتجربہ کار اس سے دھوکا نہ کھا جائے۔ اور نہ کوئی جاہل اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑے۔

الکشّاف

عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل

اس تفسیر کے مصنف علامہ محمود بن عمر زمخشری ہیں جو ٤٦٧ھ میں زمخشر میں پیدا ہوئے۔ زمخشر بغداد کے شہروں میں سے ایک علاقہ کا نام ہے کنیت ابوالقاسم تھی۔ امام زمخشری تحصیل علم کے لئے بغداد گئے اور ائمہ کبار کے سامنے زانوئے تلمذ کیا۔ اس کے علاوہ خراسان بھی کئی بار تشریف لے گئے۔ مسلکاً معتزلی تھے اور بڑے زبردست مناظر تھے۔ کہتے ہیں کہ جب بھی کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے لوگ اُن

اردگرد جمع ہوجاتے اور زانوئے تلمذتہ کرتے اور جب کوئی مناظرہ کرتا تو وہ اُن کی علمیت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہتا تھا۔ علامہ ابن سمعانی فرماتے ہیں۔

كَانَ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ فِي عِلْمِ الْأَدَبِ وَالنَّحْوِ لَقِيَ الْأَفَاضِلَ وَالْكِبَارَ وَصَنَّفَ التَّصَانِيفَ فِي التَّفْسِيرِ وَشَرْحِ الْأَحَادِيثِ وَاللُّغَةِ

(الانساب ص۲۷۷ مطبوعہ لندن)

علامہ زمخشری ان لوگوں میں سے جنہوں نے نحو، لغت اور ادب میں بلند مرتبہ حاصل کیا ہے بڑے بڑے ائمہ کبار سے ملے اور عظیم الشان تصانیف لکھیں۔

صاحب وفیات الاعیان نے لکھا ہے۔

مسلکِ مصنف: " كَانَ الزَّمَخْشَرِي مُعْتَزِلِي الْاِعْتِقَادِ مُتَظَاهِرًا بِاِعْتِزَالِهِ

یعنی علامہ زمخشری عقیدۃً معتزلی تھے اور اپنے اعتزال کو ظاہر کرنے والے تھے۔ یہاں تک منقول ہے کہ جب اس کا کوئی ساتھی اندر آنے کی اجازت چاہتا تو اجازت لینے کے لئے آنے والے کو کہتا کہ اس صاحب کو بتلا دو ابوالقاسم معتزلی اندر ہے (ابوالقاسم المعتزلی بالباب) جب اس نے تفسیر کشاف کی ابتدا کی تو اُس کے خطبہ کے شروع میں لکھا الحمد للّٰہ الذی خلق القرآن کہا جاتا ہے کہ اس سے کہا گیا تو نے اس متروکہ ہیئت کو کیوں اختیار کیا جبکہ لوگ اس میں رغبت نہیں رکھتے تو اُس نے اس عبارت کو الحمد للّٰہ الذی جعل القرآن سے بدل دیا اور جعل کا معنیٰ معتزلہ کے ہاں خلق کا ہوتا ہے[1]۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے آخر عمر میں اعتزال سے توبہ کرکے اہل سنت والجماعۃ کا مسلک اپنا لیا تھا۔

تفسیر کے متعلق ائمہ کی آراء: شیخ حیدر ہروی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں

وَبَعْدُ فَاِنَّ كِتَابَ الْكَشَّافِ كِتَابٌ عَلِيُّ الْقَدْرِ رَفِيعُ الشَّانِ لَمْ يُرَ مِثْلُهُ فِي تَصَانِيفِ الْأَوَّلِيْنَ

---

[1] وفیات الاعیان ص۸۲ ج۲ مطبوعہ مصر

ترجمہ: کتاب کشاف یقیناً بلند مرتبہ اور عظیم الشان تفسیر ہے۔ پہلی تفسیروں میں اس جیسی کو
تصنیف نہیں پائی گئی۔ (التفاسیر والمفسرون)

ابن بشکوال مختلف تفسیروں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کِتَابُ الزَّمَخْشَرِی اَلْخَصُّ وَاَغْوَصُ

زمخشری کی کتاب نہایت مختصر اور عمیق ہے۔

علم تفسیر پر بحث کرتے ہوئے ابن خلدونؒ کہتا ہے۔

وَمِنْ اَحْسَنِ مَا اشْتَمَلَ عَلَیْهِ هٰذَا الْفَنُّ مِنَ التَّفَاسِیْرِ

کِتَابُ الْکَشَّافِ لِلزَّمَخْشَرِی

ترجمہ: اس فن کی بہترین تفسیر زمخشری کی کتاب الکشاف ہے۔

تاج الدین سبکیؒ کہتے ہیں

وَاعْلَمْ اَنَّ الْکَشَّافَ کِتَابٌ عَظِیْمٌ فِیْ بَابِهٖ وَمُصَنِّفُهٗ اِمَامٌ
فِیْ فَنِّهٖ اِلَّا اَنَّهٗ رَجُلٌ مُبْتَدِعٌ مُتَجَاهِرٌ بِبِدْعَتِهٖ

ترجمہ: جان لے کہ کشاف فن تفسیر میں عظیم المرتبہ کتاب ہے اور اس کا مصنف اس
فن کا امام ہے مگر وہ بدعتی شخص ہے اور اپنی بدعت میں بالکل نمایاں ہے۔

ابن خلقان کا قول ہے۔

لَهُ التَّصَانِیْفُ الْبَدِیْعَةُ مِنْهَا الْکَشَّافُ فِی التَّفْسِیْرِ الْقُرْاٰنِ
الْعَزِیْزِ لَمْ یُصَنَّفْ قَبْلَهٗ مِثْلُهٗ

(وفیات الاعیان ج۲ ص۸۱ مطبوعہ مصر)

اس کی تصانیف بہت عجیب وغریب ہیں اُن میں سے ایک فن تفسیر میں
الکشاف ہے۔

صاحب کشف الظنون تفسیر کشاف کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سیوطیؒ نے" نواہد الابکار" میں قدمائے مفسرین کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ
پھر وہ فرقہ ابھرا جو ان علوم بلاغت میں رسوخ اور ملکہ رکھتا تھا۔ جن کی وجہ سے وجوہ
اعجاز کا بہترین علم حاصل ہوتا ہے اور صاحب کشاف اس مملکت (علوم بلاغت)
کا بادشاہ ہے۔ اسی لئے اس کی کتاب مشرق و مغرب کی آخری حد تک پہنچ گئی

یہاں تک کہ اس کے مصنف کو اپنی اس کتاب کی عالمگیر شہرت کا علم حاصل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان کرتے ہوئے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ

إِنَّ التَّفَاسِيرَ فِي الدُّنْيَا بِلَا عَدَدٍ
وَلَيْسَ فِيهَا لَعَمْرِي مِثْلُ كَشَّافِي
إِنْ كُنْتَ تَبْغِي الْهُدَى فَالْزَمْ قِرَاءَتَهُ
فَالْجَهْلُ كَالدَّاءِ وَالْكَشَّافُ كَالشَّافِي

ترجمہ :۔ ویسے تو تفسیرین دنیا میں بے شمار ہیں۔ لیکن میری عمر کی قسم ان میں کوئی میری کشاف کے برابر نہیں ہے لہذا اگر تو ہدایت کا خواہش مند ہے تو اس کا پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلے کیونکہ جہالت ایک طرح کا مرض ہے اور کشاف اس کے حق میں نسخہ شفا کی مانند ہے۔

خصوصیات

صاحب "مناہل العرفان" کا قول ہے کہ کشاف مندرجہ ذیل امور میں دوسری کتب تفسیر سے ممتاز (DIS TINUISHED) ہے۔

۱۔ حشو وزوائد اور طوالت سے خالی ہے۔
۲۔ قصص اور اسرائیلیات سے خالی ہے۔
۳۔ لغات عرب کے مطابق معانی کے بیان پر اور اس کے اسالیب پر اس میں اعتماد کیا گیا ہے۔
۴۔ معانی و بیان کے علوم پر خاص توجہ دی گئی ہے اور وجوہ اعجاز کی تفہیم کے لئے نکات بلاغت کی تحقیق کی گئی ہے۔
۵۔ بات کو واضح کرنے کے لئے اکثر سوال و جواب کا طریقہ اس طرح اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے إِنْ قُلْتَ (اگر تو کہے) کے جملے سے مصنف سوال کرتا ہے پھر قُلْتُ (میں کہتا ہوں) کہہ کر اس کا جواب دیتا ہے۔

ان خصوصیات کے علاوہ اس کتاب کی چند خصوصیات اور بھی ہیں۔

(۶) مصنف چونکہ مشہور معتزلی ہے اس لئے اہل سنت اور معتزلہ کے مشہور کلامی اختلافات میں وہ بڑے پرزور انداز میں معتزلہ کی وکالت کرتے ہیں

(۷) بعض مقامات پر ائمہ فقہا کے اختلاف کو بھی ذکر کیا گیا ہے البتہ تعصب سے پہلو تہی کیا گیا ہے۔

(۸) تنقیدی نقطۂ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو اس تفسیر کو ایک اور خصوصیت بھی حاصل ہے اور وہ یہ کہ اس تفسیر میں اولیاء کرام پر طعن کیا گیا ہے اور بعض بیہودہ اشعار کو نقل کیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل سنت والجماعۃ کے فرقہ پر (جو کہ اہل حق کا گروہ ہے) مجبرہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے اور تعریضاً انہیں کفر و الحاد کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ اس لئے صاحب کشف الظنون کہتے ہیں

هَـٰذِهِ وَظِيفَةُ السُّفَهَاءِ الشُّطَّارِ لَا طَرِيقَةُ الْعُلَمَاءِ الْأَبْرَارِ

یعنی یہ کج فہم اور چالاک لوگوں کا وظیفہ ہے نہ کہ نیک علماء کا

الکشاف کے حواشی

۱۔ علامہ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی متوفی ۷۱۰ھ کا حاشیہ جو دو جلدوں میں ہے۔

۲۔ حاشیہ علامہ فخر الدین احمد بن حسین الجاربردی متوفی ۷۴۶ھ

۳۔ علامہ شرف الدین حسن بن محمد طیبی کا حاشیہ جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کا نام "فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب" ہے۔

۴۔ حاشیہ علامہ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی متوفی ۷۸۶ھ۔

۵۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی کا حاشیہ جو نامکمل ہے۔

۶۔ حاشیہ علامہ قطب الدین محمد بن محمد التحتانی الرازی متوفی ۷۶۶ھ

۹۔ سورتوں کے بارے میں احادیث فضائل کو ذکر کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "تفسیروں میں اس قسم کی موضوعات کی بڑی کثرت ہے مثلاً وہ حدیث جسے ثعلبی، واحدی اور زمخشری نے قرآنی سورتوں

کے فضائل میں روایت کیا ہے اور ہر ہر سورۃ کی فضیلت بتائی گئی ہے تو باتفاق اہل علم یہ حدیث موضوع ہے۔"

(اصول تفسیر مترجم صہ ۶۹) ۔

مفاتیح الغیب

اس تفسیر کے مؤلف ابوعبداللہ محمد بن عمر الملقب بفخرالدین رازی ہیں۔ جو ابن الخطیب الشافعی کے نام سے مشہور و معروف ہیں ان کی سن پیدائش ۵۴۴ھ ہے۔ آپ یگانۂ عصر اور متکلم زمانہ تھے آپ نے بہت سے علوم میں مہارت حاصل کی چنانچہ آپ علم تفسیر، علم کلام، علوم عقلیہ اور علوم اللغۃ کے امام تھے۔ آپ نے علوم کی تحصیل اپنے والد سے (جو کہ رے میں خطیب تھے) کی۔ اس کے علاوہ اور بڑے بڑے علماء دور دراز سے علوم کی تحصیل کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے علمی شہرت کے علاوہ آپ کی شہرت وعظ و نصیحت کی بنا پر بھی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ عربی و عجمی دونوں زبانوں میں وعظ کیا کرتے تھے اور اس حالت میں وجد طاری ہوجاتا تھا اور آپ بہت زیادہ گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف لاتعداد ہیں جو مختلف قسم کے علوم کے بارے میں ہیں۔

سبب تالیف:۔ مفاتیح الغیب کے سبب تالیف پر امام رازیؒ نے اپنے خطبہ میں لکھا کہ ایک دن میری زبان سے نکل گیا۔ کہ سورۂ فاتحہ کے فوائد و حکم اور اس کے نفائس سے دس ہزار مسائل کا استنباط ممکن ہے۔ میری اس بات کو حاسدوں نے بعید تر سمجھا تو میں نے اس کتاب کی تصنیف کا آغاز کیا اور پہلے ایک مقدمہ لکھا تاکہ وہ اس امر کی بنیاد بن جائے کہ ہم نے جو بات کہی ہے وہ ممکن الحصول ہے

(تفسیر کبیر صہ ۳۰۲ ج ۱ مطبوعہ استنبول)

تفسیر کے متعلق آئمہ کی آراء

وفیات الاعیان ج۱ اول ص۲۸۴ میں ابن خلکان کا بیان ہے "کہ یہ تفسیر بہت بڑی ہے اور اس میں انہوں نے ہر نادر بات جمع کردی ہے جَمَعَ فِیْہِ کُلَّ غَرِیْب وَغَرِیْبَۃٍ" لیکن ان کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ اپنی تفسیر کی تکمیل نہ کرسکے"

بعض علماء کا قول ہے فیہ کل شئی الا التفسیر (الاتقان ص۱۹۱ ج۲ مطبوعہ مصر) یعنی اس میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا کہنا نہایت مبالغہ آمیز ہے بعض تذکروں میں ہے غالباً محمد بن سید الناس کے تذکرہ میں، کہ جب انہوں نے یہ جملہ سنا تو کہا نہیں یہ غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں تفسیر بھی ہے اور اس کے ساتھ ہر چیز ہے اور انصاف کی بات وہ ہے جو ابوحیان نے کہی ہے کہ اس میں طوالت بہت ہے اور بکثرت ایسی چیزیں ہیں جن کی علم تفسیر میں کوئی حاجت نہیں ہے۔

ابن صاعد نے ارشاد المقاصد میں کہا ہے کہ تفسیر کی مختصر کتابوں میں ابن الجوزی کی "زاد المسیر" اور واحدی کی "الوجیز" ہیں اور متوسط کتب میں تفسیر ماتریدی اور زمخشری کی کشاف اور تفسیر کواشی ہیں اور مبسوط کتابوں میں واحدی کی البسیط اور تفسیر قرطبی اور امام رازی کی مفاتیح الغیب ہیں۔

مناہل العرفان ص۲۵ میں اہل کلام کی تفاسیر کے عنوان کے تحت مرقوم ہے کہ "ہر انسان کے دل کی بات اُس وقت ظاہر ہوجاتی ہے جب وہ اپنے خیالات صفحہ قرطاس پر منتقل کرتا ہے اور اس کا عقیدہ اس کی تفسیر کے جھروکوں سے دکھائی دینے لگتا ہے اسی طرح اس کی گفتگو کے درمیان سے اس کا عقیدہ ظاہر ہوجاتا ہے۔

علم کلام کے علماء کی بھی یہی کیفیت نظر آتی ہے جب وہ کتاب اللہ کی تفسیر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ سُنی کی تفسیر سے اہل سنت کے انوار پھوٹتے ہیں معتزلی کے بیان کے اردگرد اعتزال کی بو پھیلتی رہتی ہے اور شیعی کے میدان تفسیر و تاویل میں تشیع کی ہوا چلا کرتی ہے۔ البتہ ان کے درمیان تعصب، میانہ روی، ایجاز اور

بسط و تفصیل کے لحاظ سے فرق و تفاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ معتزلہ اور شیعہ کی تفاسیر میں تم کو یہ بات نظر آئی ہوگی اور تم نے دیکھا ہوگا کہ زمخشری اپنے اعتزال کو کس طرح اعتدال و احتیاط کے ساتھ چپکے سے اذہان میں اتارنا چاہتا ہے اور کس طرح قاضی عبدالجبار علانیہ تعصب کا اظہار کرتا ہے اور کس طرح مولیٰ عبداللطیف تشیع میں اسراف سے کام لیتا ہے۔

اس طرح تمام اہل سنت میں ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے عقیدے کی تائید میں اعتدال کے ساتھ اپنی تفسیر کو پیش کرتے ہیں۔ اور کچھ ایسے اہل سنت ہیں جنہوں نے اپنی تفاسیر میں اپنے عقائد و نظریات کی تائید اور مخالف نظریات کے دفاع میں بڑی شدت سے کام لیا ہے اور ان کے سرخیل امام فخرالدین رازیؒ ہیں جنہوں نے عقیدہ میں کجی رکھنے اور اہل سنت کے عقیدے سے انحراف کرنے والوں پر ہر موقع پر چاروں طرف سے حملہ کیا ہے اور اپنی تفسیر میں جو تفسیر فخرالدین کے نام سے مشہور ہے یونان کے حکماء الٰہیّین کا طریقہ اختیار کیا ہے۔"

مولانا عبدالحق حقانی اس تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں

"اس میں سب کچھ ہے مگر روایت میں کم پایہ ہے۔"

خصوصیات

مفاتیح الغیب جو کہ تیس حصوں میں ہے کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

آیات و سُوَر کا ربط اور مناسبت ، اس کتاب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ربط بین الآیات والسُّوَر ہے یعنی آیات کی آیات سے مناسبت بیان کرتے ہیں اور سورتوں کے مابین موافقت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سوال و جواب کا انداز ، اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں سوال و جواب کی شکل میں اور مسائل کی شکل میں مباحث کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

علوم ریاضیہ اور فلسفہ کا اہتمام: امام رازیؒ اپنی تفسیر میں علوم ریاضیہ اور علوم طبعیہ سے بھی بحث کرتے ہیں اور فلاسفر کی تردید بھی کرتے ہیں۔ الہیات کے مباحث میں اپنے دلائل کو حکماء کے عقلی استدلالات کے طرز پر ڈھالا ہے لیکن ایسی تہذیب و تزئین کے ساتھ جو اہل سنت کے اصول سے مطابقت کرتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اکثر جگہ انہوں نے عقل پرستوں (RATIONALISTS) اور مخالفین کے شبہات پر زوردار تنقیدیں اور ملامتیں بھی کی ہیں۔

اسی طرح اہل سائنس (SCIENTISTS) کے علوم طبعیات کا طریقہ استدلال بھی انہوں نے اختیار کیا ہے چنانچہ افلاک و بروج، آسمان و زمین اور حیوان و نباتات کے بارے میں اور اجزائے انسان وغیرہ کے متعلق بحث کرتے ہوئے طبعیات (PHYSICS) کے اسلوب استدلال ہی کے ذریعہ وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال پیش کیا ہے۔

رد معتزلہ: کلامی ابحاث بیان کرتا ہے اور معتزلی مذہب کا تذکرہ کرکے اور اُن کے اقوال نقل کرکے ہر موقع پر اُن کی تردید کرتے ہیں لیکن ردًا لا یراہ البعض کافیا و لا شافیاً (یعنی یہ تردید کافی اور شافی نہیں ہوتی)

علوم فقہ، اصول، نحو اور بلاغت کا بیان: امام فخرالدین رازیؒ جب آیات احکام پر پہنچتے ہیں تو فقہاء کے مذاہب کو ذکر کرکے امام شافعیؒ کے مسلک کو دلائل و براہین سے ترجیح دیتے ہیں۔

اسی طرح مسائل اصولیہ، مسائل نحویہ اور بلاغت بھی بیان کی ہے مگر دوسرے مسائل کی نسبت کم ہے۔

علم کلام، علوم طبعیہ (PHYSICAL SCIENCES) وغیرہ کے کثیر مباحث کی بدولت تفسیر کی اہمیت کم ہوگئی ہے اسی لئے صاحب کشف الظنون کہتے ہیں۔

إِنَّ الْإِمَامَ فَخْرُ الدِّينِ الرَّازِيُّ مَلَأَ تَفْسِيْرَهُ بِأَقْوَالِ الْحُكَمَاءِ وَالْفَلَاسِفَةِ وَخَرَجَ مِنْ شَيْءٍ إِلَى شَيْءٍ حَتَّى يَقْضِي النَّاظِرُ الْعَجَبَ

ترجمہ: بے شک امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفہ کے اقوال سے پُر کردیا ہے اور کہیں سے کہیں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ناظر تعجب کرنے لگ جاتا ہے۔
(کشف الظنون ج۱ ص۳۱۴ مطبوعہ استنبول)

ابوحیان اندلسی بحر میں کہتے ہیں۔

جَمَعَ الْاِمَامُ الرَّازِیُّ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ اَشْیَاءَ کَثِیْرَۃً طَوِیْلَۃً لَاحَاجَۃَ بِھَا فِیْ عِلْمِ التَّفْسِیْرِ

(الاتقان ج۲ ص۱۹۱ مطبوعہ قاہرہ)

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بہت سی طویل چیزیں جمع کردی ہیں جن کا علم تفسیر میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

انوار التنزیل و اسرار التاویل

انوار التنزیل و اسرار التاویل تفسیر میں قاضی امام ناصرالدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ اور بقول بعض ۶۸۲ھ کی تصنیف ہے جو فارس کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قاضی شہبہ اپنے طبقات میں کہتا ہے۔

صَاحِبُ الْمُصَنَّفَاتِ، وَعَالِمُ آذَرْبِیْجَانَ وَ شَیْخُ تِلْکَ النَّاحِیَۃِ، وُلِّیَ قَضَاءُ شِیْرَاز

(قاضی بیضاویؒ) بڑی تصنیفات والے آذربائیجان کے علاقہ کے عالم اور بزرگ ہیں۔ شیراز میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے۔

تاج الدین سبکیؒ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۵ ص۵۹ مطبوعہ مصر) فرماتے ہیں۔

وَکَانَ اِمَامًا مُبْرِزًا نَظَّارًا خَیِّرًا صَالِحًا مُتَعَبِّدًا زَاھِدًا

وہ امام مناظر، تیز فہم، کریم النفس نیک اور عبادت گزار تھے۔

ابن حبیب کہتے ہیں۔
وَتَکَلَّمَ کُلٌّ مِّنَ الْاَئِمَّۃِ بِالثَّنَاءِ عَلٰی مُصَنَّفَاتِہٖ وَلَوْ لَمْ
یَکُنْ لَہٗ غَیْرَ الْمِنْہَاجِ الْوَجِیْزِ لَفْظُہٗ الْمُحَرَّرُ لَکَفَاہُ۔"
تمام ائمہ نے ان کی تصنیفات کی تعریف کی ہے اور اگر "المنہاج الوجیز" کے
علاوہ اس کی اور کوئی کتاب نہ ہوتی تو صرف یہی کتاب) کافی ہوتی۔
(التفاسیر والمفسرون

مصنف کی اہم تصنیفات:۔ ان کی اہم تصنیفات اصول فقہ میں المنہاج اور اس کی شرح ہے۔ اصول دین میں کتاب الطوالع ہے اور تفسیر میں انوار التنزیل واسرار التاویل ہے۔ یہ کتب اکثر اہل علم میں مشہور و متداول ہیں۔

کچھ تفسیر کے بارے میں:۔ صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں۔ "یہ ایک ایسی عظیم الشان تفسیر ہے جو تعریف سے مستغنی ہے۔ یہ مختلف امتیازات رکھنے والی تفاسیر کا گویا نچوڑ (SUMMARY) ہے یعنی اس میں اعراب اور معانی و بیان سے متعلق مباحث دراصل کشاف کے مندرجات کا مغز ہیں۔ حکمت وکلام سے متعلق جو مواد ہے وہ تفسیر کبیر (یعنی تفسیر فخر الرازی) سے ماخوذ ہیں اور اشتقاق اور دقیق حقائق اور لطیف اشارات و نکات تفسیر راغب اصفہانی سے ماخوذ ہیں۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ قاضی بیضاوی نے اس میں معقول دلائل اور مقبول تصرفات رکھنے والے ایسے امور بھی ثبت کیے ہیں جو ان کی فکر و بصیرت کے ثمرات و نتائج ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اسرار و رموز سے شک کا میل دور ہو کر ان میں چمک اور وضاحت پیدا ہو جاتی ہے اور علم میں وسعت اور بصیرت میں زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ مولا منشی کہتے ہیں

اُولُو الْاَلْبَابِ لَمْ یَاْتُوْا
بِکَشْفِ قِنَاعِ مَا یُتْلٰی
وَلٰکِنْ کَانَ لِلْقَاضِیْ
یَدٌ بَیْضَاءُ لَا تُبْلٰی

ترجمہ:- صاحبان عقل ایسی کوئی چیز پیش نہ کر سکے جو تلاوت کی جانے والی کتاب (قرآن) کے غلاف کو کھول دے۔ لیکن قاضی بیضاوی کا وہ روشن ہاتھ ہے جو کبھی پرانا نہ ہوگا۔۔۔۔؟

لیکن سورتوں کے اواخر میں قاضی صاحب نے احادیث درج کی ہیں۔ اُن میں سے اکثر کے معاملہ میں انہوں نے تسامح سے کام لیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان احادیث کے بیان کرنے والے صاف باطن اور تعلق باللہ رکھنے والے لوگ ہیں۔ اس وجہ سے اُن کی مرویات سے متعلق جرح و تعدیل سے گریز کیا اور ترغیب و تاویل کا فائدہ پیش نظر رکھا یہ جانتے ہوئے کہ یہ جھوٹی باتیں ہیں جو بیان کرنے والوں کی زبانوں سے نکلی ہیں۔ اور فریب دہی کے قریب پہنچی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ دلوں کے حال کا جاننے والا ہے۔" (کشف الظنون ص ۱۸۷ ج ۱)

نووی اور سیوطی نے تقریب و تدریب میں لکھا ہے۔

"موضوعات میں سے وہ روایات بھی ہیں جو حضرت ابی بن کعب کی ہیں اور اُن سے مرفوعاً قرآن کی ایک ایک سورۃ کی فضیلت میں مستقل طور سے وارد ہوئی ہیں اور جن مفسرین نے اپنی تفسیر میں انہیں ذکر کیا ہے انہوں نے خطا کی ہے مثلاً ثعلبی، واحدی، زمخشری اور بیضاوی۔"

مناہل العرفان میں ہے

"تفسیر بیضاوی ایک ایسی جلیل القدر کتاب ہے جسے تفسیر و تاویل کے مابین لغت عربیہ کے قوانین کے مطابق مرتب و مدوّن کیا گیا ہے اور اہل سنت کے اصول پر دلائل ثبت کیے گئے ہیں۔"

پھر کہتے ہیں

"اس کے ان حواشی میں جو رائج ہیں سب سے بہتر حاشیہ شہاب خفاجی کا ہے اگرچہ اس کے بکثرت دوسرے حواشی بھی ہیں۔"

خصوصیات:-

۱۔ آیتوں کے آخر میں حدیثوں کا درج کرنا صاحب کشاف کی طرح۔

۲۔ تفسیر کبیر اور راغب اصفہانی کی تفسیر سے مدد لی گئی ہے اور صحابہ و تابعین کے بعض آثار اس تفسیر میں نقل کئے گئے ہیں۔
۳۔ اہل سنت کے مسلک کو واضح کیا گیا ہے۔
۴۔ اسرائیلی روایات کم ذکر کی گئی ہیں۔
۵۔ جب آیات کونیہ کو پیش کرتا ہے تو کائنات میں غور وخوض کرنا سکھلاتا ہے شاید یہ تفسیر کبیر کا اثر ہے۔
۶۔ حواشی کبیر ہیں۔

تفسیر بیضاوی کے حواشی

اس تفسیر کے بے شمار حاشیے ہیں۔

۱۔ حاشیہ محی الدین محمد بن شیخ مصلح الدین مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ کا جو ۸ جلدوں میں ہے۔ یہ حاشیہ تمام حواشی سے بڑھ کر مفید اور نافع ہے اس کی عبارت بہت آسان ہے۔
۲۔ حاشیہ مصلح الدین مصطفیٰ ابن ابراہیم کا جو ابن تجید کے نام سے مشہور ہیں۔
۳۔ حاشیہ زکریا ابن محمد انصاری مصری متوفی ۹۲۶ھ
۴۔ حاشیہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کا جس کا نام "نواہد الابکار و شوارد الافکار" ہے۔
۵۔ حاشیہ ابو الفضل القرشی صدیقی کا جو کازرونی کے لقب سے مشہور ہیں
۶۔ حاشیہ شمس الدین شروانی کا جو دو جلدوں میں ہے۔
۷۔ حاشیہ محمد بن جمال شروانی کا جو دو جلدوں میں ہے۔
۸۔ حاشیہ شیخ صبغۃ اللہ۔
۹۔ حاشیہ جمال الدین اسحق قرامانی۔
۱۰۔ مشہور عالم روشنی آیدینی کا حاشیہ۔

۱۰. حاشیہ شیخ محمود بن حسین افضلی حاذقی کا جو صادقی کیلانی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ حاشیہ سورۂ اعراف سے لے کر آخر قرآن تک ہے۔ اس کا نام "ہدایۃ الرواۃ الی فاروق المداوی للعجز عن تفسیر البیضاوی" ہے۔

۱۱. حاشیہ بابا نعمتہ اللہ محمد نخجوانی متوفی ۹۰۰ھ

۱۲. حاشیہ مصطفی بن شعبان متوفی ۹۶۹ھ کا جو سروری کے نام سے مشہور ہیں۔

۱۳. حاشیہ مولی کا جو سنا دعوض کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے ۹۹۶ھ میں وفات پائی۔ یہ حاشیہ تین جلدوں میں ہے۔

۱۵. حاشیہ شیخ ابوبکر ابن احمد بن صائغ حنبلی متوفی ۱۱۴۱ھ اس کا نام "الحسام الماضی فی ایضاح غریب القاضی" ہے۔

روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم وسبع المثانی

اس تفسیر کے مؤلف سید محمود بن عبداللہ آفندی آلوسی، بغدادی ہیں (آلوس ایک علاقے کا نام ہے) جو سلفی الاعتقاد شافعی المذہب تھے۔ البتہ اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں آخری عمر میں اجتہاد کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ ان کا سن پیدائش ۱۲۱۷ھ ہے بغداد کے علاقہ کرخ میں پیدا ہوئے۔

علامہ آلوسیؒ منقول و معقول کے جامع اور فروع و اصول کے زبردست فہم رکھنے والے، عظیم محدث اور کتاب اللہ کے چوٹی کے مفسر ہیں۔ بڑے بڑے علماء سے علمی پیاس بجھائی کہ جن میں سے ایک اُن کے والد صاحبؒ بھی تھے۔ علم کی استعداد بڑھانے پر بڑے حریص تھے اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

سَهَرِي لِتَنْقِيحِ الْعُلُومِ أَلَذُّ لِي
مِنْ وَصْلِ غَانِيَةٍ وَطِيبِ عِنَاقِ

تیرہ سال کی عمر میں تدریس و تالیف میں مشغول ہوئے اور مختلف مدارس

میں تدریس کی خدمت انجام دیں۔ اور جب حنفیہ کے افتار پر مامور کیے گئے تو بھی تدریس کا کام نہ چھوڑا اور ملاصقہ کے علاقہ میں اپنے گھر ہی میں تمام علوم پڑھانے شروع کیے۔ طلبار کی رہائش کھانے اور کپڑے پہنانے میں مواسات سے کام لیتے تھے اور طلبار دُور دراز سے کھچ کھچ کر چلے آتے تھے۔

بڑے عجیب وغریب حافظ کے مالک تھے خود کہتے ہیں۔ وَاَعَابَنِیْ
مَا اسْتَوْدَعْتُ ذِهْنِیْ شَیْئًا فَخَانَنِیْ وَلَا دَعَوْتُ فِکْرِیْ لِمُعْضِلَۃٍ اِلَّا
میں نے اپنے ذہن میں کوئی چیز امانت نہیں رکھی کہ اس نے میری خیانت کی ہو۔ اور جب بھی میں نے اپنے فکر کو مشکل (مقام کو حل کرنے) کی طرف بلایا تو اس نے میری بات کو قبول کیا۔

مدرسہ جرجانیہ کے متولی مقرر ہوئے۔ اس لئے کہ اس مدرسہ کے متولی ہونے کے لیے سب سے زیادہ اہل علم ہونے کی شرط تھی۔ آپ نے ۱۲۶۳ھ میں افتار کے منصب سے علیحدگی اختیار کی اور قرآن کریم کی تفسیر کو تمام کرکے ۱۲۶۷ھ میں قسطنطنیہ تشریف لے گئے اور سلطان عبدالمجید خاں کے سامنے اپنی تفسیر پیش کی تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا۔

آپ نے بے انتہا کتب ہر فن میں تصنیف فرمائیں ۲۵ ذوالحجہ ۱۲۷۰ھ میں اس جہان فانی سے رحلت فرماگئے اور شیخ کرخی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

کچھ تفسیر کے بارے میں: اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ میں بچپن ہی سے کتاب اللہ کے اسرار معلوم کرنے کا بے حد شائق تھا اور اس مقصد کے لئے نیند کو اکثر دفعہ ترک کر دیتا تھا اور اپنی قوم کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ بڑی سوسائٹی (SOCIETY) سے اجتناب کرتا تھا۔ اور اپنے قیمتی اوقات کو غلط خواہشات میں ضائع نہیں کرتا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن پاک کے بہت سے حقائق اخذ کرنے کی توفیق دی۔

تفسیر کی تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اکثر اوقات میرے دل میں یہ چبھن رہتی تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھوں جس میں جمع کردہ فوائد کو اکٹھا کر دوں لیکن مجھے تردد رہتا تھا۔ آخر جمعہ کی ایک شب کو میں نے خواب میں دیکھا کہ

اللہ جل شانہ نے مجھے آسمان و زمین کے پلٹنے اور اُن کے طول و عرض کی علیحدگی کے منفصل کرنے کا حکم دیا پس میں نے اپنا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اور دوسرا پانی کے مستقر کی طرف بڑھایا تو اسی حالت میں بیدار ہو گیا اور اس خواب سے بہت متعجب ہوا۔ آخر میں نے بعض کتب میں تفتیش کے بعد دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تفسیر کی تالیف کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ۱۲۵۲ھ میں شعبان کی سولہ [۱۶] تاریخ کو میں نے رات کے وقت کتابت شروع کر دی اور ربیع الثانی ۱۲۶۷ھ میں ختم کی [لہ]۔

مناہل العرفان ص ۵۵۲ میں مذکور ہے کہ تفسیر آلوسی کا نام روح المعانی ہے اور یہ جلیل القدر تفاسیر میں سے ایک وسیع ترین اور جامع تفسیر ہے۔ اس میں سلف کی روایات کے ساتھ خلف کی مقبول آرار کو درج کیا گیا ہے۔ نیز اس میں اُن امور کو بھی شامل کیا گیا ہے جو عبارت کے طریق سے بھی سمجھے جاتے ہیں اور اشارہ کے طریق سے بھی۔"

یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں میں ہے علامہ موصوف نے فقہ، کلام، تصوف اور عقائد ہر لحاظ سے کلام کیا ہے۔ اُن کا ایک شاگرد کہتا ہے۔

اِنْ کَانَ مَحْمُوْدُ جَارُ اللّٰہِ قَدْ جَمَعَتْ
لَہٗ الْمَعَانِیْ بِتَفْسِیْرٍ وَ تِبْیَانٍ
فَاِنَّ مَحْمُوْدَنَا الْحَبْرُ الشِّہَابُ لَہٗ
رُوْحُ الْمَعَانِیْ وَکَانَ الْفَخْرُ لِلثَّانِیْ

"اشرف السوانح" کا مصنف مولانا تھانوی کی تفسیر "بیان القرآن" پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ماخذوں میں غالباً سب سے زیادہ آلوسی بغدادیؒ کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے۔ یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقتہً مفید ہے کہ تیرھویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے۔ اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف و منتشر تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں۔"

[لہ] روح المعانی ج ۱ ص ۴ مطبوعہ لاہور

تفسیر کے نمایاں پہلو

تین طرق کی جامع تعلیم الارشاد ص۱۹ میں مذکور ہے کہ علامہ آلوسیؒ اہل عراق کے متاخرین اہل تفسیر میں سے ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر میں امام فخرالدین رازی سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ البتہ انہوں نے بہت سے زوائد کو ساقط کر دیا ہے اور بہت سی باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ ساتھ ہی مفسرین سلف کے اقوال نہایت حسن و خوبی سے نقل کئے ہیں اگرچہ اس باب میں امتیاز قائم نہیں رکھا اور ان کے اقوال میں سے کس کے قول کی سند قوی ہے اور کس کی ضعیف۔ اور اسی لئے کچھ التباس و اشکال باقی رہ گئے۔

ان دو امور کے ساتھ انہوں نے اپنی تفسیر میں متصوفین کی تفاسیر میں سے بھی ایک معتد بہ حصہ کا اضافہ کیا ہے.... غرض علامہ آلوسی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ صوفیا کی ایسی تاویلات کا بھی اضافہ کر دیا جن کے ذریعے انہوں (صوفیا) نے قرآن کو ظاہر معنی سے ہٹا کر ایسے معانی کی طرف پھیر دیا جن پر مشہور و معروف وجوہ دلالت میں سے کسی پر الفاظ عربیہ دلالت نہیں کرتے۔

اس طرح ان کی یہ کتاب تین طریقوں کی جامع بن گئی ایک تو طریق سلف دوسرا طریق متکلمین تیسرا صوفیا کا طریق۔

مسائل کونیہ کا ادراج علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں مسائل کونیہ سے بھی بحث کی ہے۔ اور اہل ہیئت اور اہل حکمت (PHILOSOPHERS) کی کلام کو ذکر کر کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ (UNLIKED) امور پر خبردار کیا ہے۔

نحوی مسائل کی بھرمار: نحوی مسائل کی اس قدر بہتات ہے کہ بعض دفعہ ان کا مفسر ہونا شبہ میں پڑ جاتا ہے کہ نحوی ہے یا مفسر۔

مسائل فقہیہ میں اعتدال: آیات احکام پر مسائل فقہیہ کو بیان کرتا

ہے لیکن تعصب سے بالا ہو کر مسائل کو ذکر کرتا ہے ۔

اسرائیلیات کے بارے علامہ آلوسی کا موقف : اس کے بارے علامہ ذہبی کا ایک ہی فقرہ (SENTENCE) کافی ہے کہ

اِنَّهٗ شَدِیْدُ النَّقْدِ لِلْاِسْرَائِیْلِیَّاتِ وَالْاَخْبَارِ الْمَکْذُوْبَۃِ

بے شک وہ اسرائیلی روایات اور جھوٹے واقعات پر زبردست تنقید کرنیوالا ہے

قرأت، مناسبات اور اسباب نزول کا ذکر : سورتوں کا نزول، اُن کا آپس میں ربط اور قرأتوں کے اختلاف کو حسن اسلوب کے ساتھ اس تفسیر میں بیان کیا گیا ہے ۔

علامہ آلوسی اور تفسیر اشاری : ظاہر معنیٰ کے بعد اشاری تفسیر بھی کرتا ہے اسی لئے بعض لوگ نیشاپوری کی تفسیر کی طرح اس تفسیر کو بھی تفسیر اشاری کہتے ہیں ۔

تفسیر بالرائے کا صحیح ترین مرقع : یہ کتاب تفسیر بالرائے کا جو حد الشرع جائز ہے، کا اہم ترین مرقع ہے ۔

تفسیر مظہری

یہ تفسیر مولانا قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی مظہری نقشبندی کی تصنیف ہے ۔ جو ۱۱۴۳ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے ۔ وہیں پرورش پائی ۔ قرآن پاک سات سال میں حفظ کیا۔ پھر عقلی و نقلی علوم حاصل کرنا شروع کئے اور ان میں تبحر حاصل کیا پھر دہلی آئے اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے حدیث و فقہ اخذ کی ۔ خواجہ محمد عابد سنامی سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ حاصل کیا پھر مرزا جان جاناں مظہر کی خدمت میں منسلک ہو گئے۔ اور اپنی عمر علوم کی نشر و اشاعت اور فصل خصومات اور فتاویٰ لکھنے میں گزاری ۔ لاتعداد کتابیں تصنیف کیں ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی ۔

کچھ تفسیر کے بارے میں ، بعض کا قول ہے کہ

" یہ ایک جلیل القدر تفسیر ہے جو شیخ شہید سید مولانا مرزا جان جاناں مظہر کی یاد میں تصنیف کی گئی ہے "

" ان کی تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے جس میں الفاظ کی لغوی تشریح کے ساتھ ساتھ روایات و آثار فقہی زاویہ نگاہ اور صوفیانہ اسرار و حکم بھی بیان کئے گئے ہیں "

اس تفسیر کے متعلق تفسیر نبوی پنجابی کا مؤلف محمد نبی بخش کہتا ہے

فرپانی پت دے قاضی مظہری ہے تفسیر بنائی
نقشبندی نے حنفی مذہب ہویا اہل صفائی
شاہ عبدالعزیز جیہاں جس تائیں بیہقی وقت بتایا
وڈا محقق فاضل کامل ملکیں فیض کھنڈایا
باہجھ رعایت سخن کرے اوہ نال صحاح اخباراں
قصے وضعی بھی رد کردا جیوں خازن گلزاراں
ایہ تفسیر مدلل بہوتہ وچ حنفی مذہب جانی
لکھوی بھی کجھ موافق اپنے اوسنھیں کرے عیانی

فتح القدیر

اس تفسیر کے مؤلف علامہ محمد بن علی شوکانی ہیں جو ۱۱۷۳ھ میں شوکان کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے علماء سے طلب علم اور سماع کیا اور تاریخ و ادب کی کتب کا بے حد مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک مفسر، محدث اور مجتہد کی حیثیت سے اُبھرے۔ آپ کی تصانیف لاتعداد ہیں۔ آپ کی کتب میں سے فتح القدیر فی التفسیر نیل الاوطار اور شرح منتقی الاخبار وغیرہ مشہور ہیں۔

علامہ شوکانی شیعہ فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتے ہیں پہلے پہل زیدیہ فرقہ کے مذہب کے مطابق فقہ حاصل کی اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے رہے بعد میں منصب اجتہاد پر فائز ہوگئے اور اس پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا جس کی وجہ سے یمن کے لوگوں میں فتنہ برپا ہوگیا اس لئے کہ کوئی اُن کے مقلد ہونے کا قائل ہوگیا اور کوئی مجتہد ہونے کا۔ لیکن محمد حسین ذہبی کہتے ہیں۔

وَعَقِیْدَۃُ الشَّوْکَانِیُ عَقِیْدَۃُ السَّلَفِ

(یعنی) شوکانی سلف کے عقیدہ پر قائم ہیں

سن وفات ۱۲۵۰ھ ہے۔

طریق تفسیر: علامہ شوکانی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتے ہیں کہ مفسرین کے دو گروہ گذرے ہیں ایک تو وہ لوگ جو مجرد روایت پر اکتفار کرنے والے تھے اور دوسرا فریق مفسرین کا وہ ہے جو لغت عربیہ اور علوم آلیہ پر اکتفار کرنے والا تھا اس لئے اس گروہ نے روایت کی طرف سر نہیں اٹھایا تو میں نے ضروری سمجھا کہ دونوں طریقوں کو جمع کردوں اور کسی ایک فریق کے مسلک پر بندش نہ کروں اور یہی میرا طریق تفسیر ہے (ملخص من کلامہ)

(فتح القدیر ص ۳ ج ۱ مطبوعہ مصر)

نمایاں پہلو

موضوع اور ضعیف روایات کی کثرت:۔ یہ تفسیر چونکہ تفسیر بالماثور بھی ہے اس لئے اس میں احادیث رسول ؐ، آثار صحابہؓ اور اقوال تابعین اور شیعی مسلک کی مؤید ہیں مثلاً ابن مسعودؓ سے روایت ہے

کُنَّا نَقْرَاُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

رسالتہ الآیہ۔
ایسی روایات کو ذکر کرنے کے بعد اُن پر جرح وتعدیل نہیں کرتا۔

مقلدین پر طعن : علامہ شوکانی جب کبھی ایسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں جو مشرکین کو اُن کے آباء کی مشرکانہ تقلید پر زجر و توبیخ کرتی ہے تو یہ فقہی مذاہب کے ائمہ کے مقلدین پر اُسے منطبق کرتے ہیں اور کہتے ہیں ایسے لوگ کتاب اللہ کے چھوڑنے والے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرنے والے ہیں۔

حیاۃ الشہداء اور توسل میں جمہور کی مخالف : علامہ شوکانی حیاۃ الشہداء کے بارے کہتے ہیں،

اِنَّ الشُّهَدَاءَ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ حَيَاةً حَقِيْقِيَّةً لَا مَجَازِيَّة[1]

حالانکہ جمہور کے نزدیک بقول علامہ ذہبی اس کے معنیٰ یہ ہیں
"اِنَّهُمْ اَحْيَاءٌ حَيَاةً مُحَقَّقَة"[2]

قل لا املك لنفسی ضراً و لا نفعاً کی تفسیر کرتے ہوئے توسل کے بارے کہتا ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی نصیحت اور نہایت ہی سخت زجر ہے جو مصائب کے نزول کے وقت کسی اور سے استغاثہ کریں حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا اُس کے دفعہ کرنے پر کوئی قادر نہیں۔

معتزلی آراء کی مخالفت : اگرچہ زیدیہ معتزلہ کی تعلیم سے کافی متاثر ہوئے ہیں اور اُن کی آراء کے قائل نظر آتے ہیں تاہم علامہ شوکانی اُن کے ساتھ سخت معارضہ کرتے ہیں اور اُن کے قول کی تردید کرتے ہیں مثلاً رویت کے بارے کہتا ہے کہ احادیث اس بارے میں متواتر وارد ہوئی ہیں کہ :
اِنَّ الْعِبَادَ يَرَوْنَ رَبَّهُمْ فِي الْآخِرَة
(یعنی) لوگ آخرۃ میں اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔
اسی طرح مسئلہ خلق قرآن میں نہ تو اہل سنت کے مسلک سے متفق ہے نہ ہی

---

[1] یقیناً شہداء کو اپنے رب کے ہاں حقیقی زندگی حاصل ہے مجازی نہیں۔
[2] بے شک وہ ثابت شدہ زندگی سے زندہ ہیں۔

عقیدہ کے عقیدہ سے بلکہ ان علماء کے مسلک پر گامزن ہے جو اس مسئلہ کے بارے میں توقف کے قائل ہیں۔

متشابہات کے متعلق شوکانی کا موقف : متشابہ آیات میں سلف کے عقیدہ کو اختیار کرتا ہے یعنی قرآن میں جہاں تشبہ کا وہم پڑتا ہے تو اسے ظاہر معنیٰ پہ بیان کر دیتا ہے۔ اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے جیسا کہ کرسی کے بارے کہتا ہے۔

اَلظَّاهِرُ اَنَّهُ الْجِسْمُ الَّذِىْ وَرَدَتِ الْآثَارُ بِصِفَتِهٖ

(یعنی) "ظاہر ہے کہ وہ ایک جسم ہے جس کی صفت میں آثار وارد ہوئے ہیں"
اور اس کے بعد اقوال نقل کر کے کہتا ہے۔

حق بات یہی ہے اور حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر محض خیالات اور ضلالت کی طرف رخ کرنے کا کوئی تک نہیں۔

مجمع البیان لعلوم القرآن

اس تفسیر کے مؤلف ابو علی فضل بن الحسن بن الفضل الطبرسی المشہدی ہیں جو مفسر قرآن، محدث دوران اور فقیہ زمان تھے۔ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑے بڑے علماء ان کے اقرباء میں سے تھے۔ قرآن پاک کی تین تفاسیر لکھیں ایک مجمع البیان فی تفسیر القرآن دوسری جوامع الجامع اور ایک تیسری تفسیر بھی لکھی۔ مؤلف تفسیر ہذا شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا ہے اور اپنی تفسیر کو شیعی عقائد سے بھر دیا ہے۔ ۵۴۸ھ میں قربانی کی رات وفات پائی۔

تفسیر لکھنے کا عجیب قصہ : مجمع البیان کے سبب تالیف کے متعلق ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کو ایک عجیب کرامت شمار کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ سکتہ (UNMETNCAL) میں مبتلا ہوئے تو اقارب نے سمجھا کہ فوت ہو گئے ہیں۔ پس اسے غسل دیا کفن پہنایا

پھر دفن کرنے کے بعد واپس آگئے۔ جب اُس کو افاقہ ہوا تو اپنے آپ کو قبر میں پایا اور دیکھا کہ نکلنے کی راہ کسی طرف نہیں ہے تو اس وقت اُس نے نذر مانی کہ اگر اس آفت سے چھٹکارا نصیب ہوا تو میں قرآن پاک کی تفسیر لکھوں گا۔ تو اتفاقاً کوئی نباش قبر پر پہنچا تاکہ کفن حاصل کرے۔ جب چہرے تک پہنچا تو شیخ طبرسی نے اُسے ہاتھ سے پکڑ لیا تو نباش حیران ہو گیا اور ہکا بکا سا رہ گیا۔ پھر جب کلام کی تو اس کی پریشانی اور بڑھ گئی تو شیخ طبرسی نے نباش سے کہا مرد مت! میں زندہ ہوں۔ مجھے سکتہ لے آیا تھا تو لوگوں نے مجھے دفن کر دیا۔ چنانچہ اُس نے انہیں باہر نکالا۔ جب انتہائی کمزوری کی بنا پر نہ اُٹھ سکے تو نباش نے انہیں کندھے پر اٹھا اور اُن کے گھر پہنچا دیا۔ انہوں نے نباش کو لباس اور بہت سا مال دیا۔ نباش نے اُن کے ہاتھ پر توبہ کی پھر انہوں نے اپنی نذر کو پورا کیا اور مجمع البیان کی تالیف میں شروع ہو گئے۔

تفسیر کے بارے آراء: التفاسیر والمفسرون کے مصنف محمد حسین ذہبی کہتے ہیں

وَالْحَقُّ اَنَّ تَفْسِيْرَ الطَّبْرَسِی. كِتَابٌ عَظِيْمٌ فِیْ بَابِهٖ يَدُلُّ عَلٰى تَبَحُّرِ صَاحِبِهٖ فِیْ فُنُوْنٍ مُخْتَلِفَةٍ مِنَ الْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَ

حق بات یہ ہے کہ طبرسی کی تفسیر اپنے فن میں عظیم الشان کتاب ہے اور علم معرفت کے مختلف فنون میں صاحب تفسیر کی تبحر علمی پر دلالت کرتی ہے۔

شیخ منتجب الدین کہتے ہیں۔

هُوَ ثِقَةٌ فَاضِلٌ، دَيِّنٌ، عَيِّنٌ لَهٗ تَصَانِيْفُ مِنْهَا مَجْمَعُ الْبَيَانِ فِیْ تَفْسِيْرِ الْقُرْآنِ (التفاسیر والمفسرون)

وہ ثقہ، فاضل، دیندار اور نمایاں ہے اس کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے ایک "مجمع البیان فی تفسیر القرآن" ہے۔

خود اپنی تفسیر کے بارے طبرسی کہتے ہیں۔

فَهُوَ بِحَمْدِ اللهِ لِلْاَدِيْبِ عُمْدَةٌ لِلنَّحْوِیِّ عُدَّةٌ وَلِلْمُقْرِیْ، بَصِيْرَةٌ، وَلِلنَّاسِكِ ذَخِيْرَةٌ، وَلِلْمُتَكَلِّمِ

مُحَجَّةٌ وَلِلْمُحَدِّثِ مَحَجَّةٌ وَلِلْفَقِيهِ دَلَالَةٌ وَلِلْوَاعِظِ آلَةٌ
وَسَمَّيْتُهُ، مَجْمَعُ الْبَيَانِ لِعُلُومِ الْقُرْآنِ (ایضاً)

الحمدللہ یہ ادیب کے لئے عمدہ چیز ہے نحوی کیلئے تحفہ ہے قراۃ پڑھانے والے کیلئے بصیرت ہے عابد و زاہد کے لئے ذخیرہ ہے۔ متکلم کے لئے حجت ہے محدث کے لئے حجت پکڑنے کی چیز ہے فقیہ کے لئے راہنما ہے واعظ کے لئے آلہ ہے اس کا نام میں نے مجمع البیان لعلوم القرآن رکھا۔

خصوصیات : اس مؤلف نے اپنی تفسیر کو شروع کرنے سے پہلے کچھ مقدمات تحریر فرمائے ہیں جو سات فنون پر مشتمل ہیں اس کتاب کے علوم کو صحیح طور پر جاننے کے لئے وہ مقدمات سمجھنا ضروری ہیں۔

اعتدال فی التشیع : طبرسی اپنے تشیع میں معتدل ہے دوسروں کی طرح غالی نہیں ہے۔ یہ امامیہ اثنا عشریہ سے تعلق رکھتا ہے۔ احمد حسین ذہبی کہتے ہیں۔

وَالطَّبَرِسِی مُعْتَدِلٌ فِی تَشَیُّعِهِ غَیْرُ مُغَالٍ فِیهِ
(التفاسیر والمفسرون)

اور فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کی کتاب کا مطالعہ کیا لیکن زیادہ متعصب نہیں پایا اور ہم نے کہیں نہیں دیکھا کہ اس نے کسی صحابیؓ کی تکفیر کی ہو اور نہ ہی اُن پر ایسا طعن کیا ہے جس سے اُن کی دینی عدالت فوت ہو جائے اسی طرح حضرت علیؓ کے معاملہ میں غلو سے کام نہیں لیتا یعنی انہیں الوہیت اور نبوت کے رتبہ پر نہیں پہنچاتا البتہ معصوم ہونے کا قائل ضرور ہوا ہے۔

تفسیر رمزی کی تائید : شیعہ قرآن میں ظاہری معنیٰ کے علاوہ باطنی معنیٰ کے بھی قائل ہیں۔ طبرسی اگرچہ ظاہر اور متبادر معنیٰ کے مطابق قرآن کی تفسیر کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی باطنی معانی کا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ صرف ناقل ہیں تاہم ایسے اقوال کو پسند کرتے ہیں اور ان کی تردید کرنے کی بجائے تائید کرتے ہیں۔

اسرائیلیات کا ورود : اسرائیلی روایات بکثرت نقل کرتے ہیں اور قائلین کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

لیکن پھر اُن پر پکڑ نہیں کرتے البتہ جو اُن کے عقیدے کے منافی ہوں تو جھوٹی روایت پر متنبہ کرتا ہے ۔

احادیث موضوعہ کی روایت : طبرسی نے جو اپنی کتاب کے بارے میں یہ الفاظ کہے ہیں "انہ محجۃ للمحدث" یہ کسی حد تک صحیح نہیں ۔ اس لئے کہ اُسنے تفسیر میں جو احادیث روایت کی ہیں وہ اکثر اُن احادیث سے متعلق ہیں جو شیعہ نے اپنے عقیدے کی تائید کے لئے گھڑی تھیں ۔ اس کے علاوہ سورتوں کی فضیلت کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں وہ اہل علم کے نزدیک گھڑی ہوئی ہیں لیکن طبرسی ان احادیث و روایات موضوعہ کو نقل کرنے کے بعد صحیح و غلط ، موضوع وغیرہ کے بارے متنبہ نہیں کرتے ۔

بعض مسائل میں معتزلہ کی مُوافقت : علم الکلام میں معتزلہ کے مباری سے زیادہ مرتبط نظر آتا ہے ۔ اسی لئے وہ معتزلہ کی کلامی ابحاث میں ان کا ہم نوا نظر آتا ہے اور معتزلی مذہب کو (ان مسائل میں) پسند کرتا ہے ۔ چنانچہ ہدایت و ضلال اور رویت باری تعالیٰ جیسے مسائل میں ان ہی مسلک پر گامزن ہے البتہ مسئلہ شفاعت میں ان کا مخالف ہے ۔

شیعی مسلک کی تائید : طبرسی اپنی تفسیر میں شیعی مسلک کی تائید میں قرآن سے استدلال کرتا ہے چنانچہ حضرت علیؓ کی امامت قرآن کی اس آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ ..... وھم راکعون سے ثابت کرتا ہے ۔ اسی طرح آئمہ کی عصمت سورۂ احزاب کی اس آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا سے ثابت کرتا ہے (حالانکہ اس کے اول و مابعد ازواج مطہرات کا ذکر آرہا ہے) اسی طرح امام مہدی کے بارے میں کہتا ہے کہ الذین یومنون بالغیب میں غیب سے عبداللہ بن مسعود اور صحابہ کی جماعت نے ماغاب عن العباد علمہ مراد لیا ہے اور یہ اپنے عموم کے اعتبار سے مہدی کے زمانۂ غیبت اور وقت خروج کو شامل ہے ۔ اسی طرح تقیہ کے

بارے کہتا ہے کہ یہ قرآن کی اس آیت اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰةً سے ثابت ہے۔ فقہی مسائل میں شیعہ مسلک کی بھرپور تائید کرتا ہے۔ مثلاً نکاح، متعہ، وضو میں پاؤں پر مسح، کتابیات کا نکاح، غنائم کی تقسیم، میراث الانبیاء، اجماع وغیرہ مسائل میں اپنے مسلک کی تائید کرتا ہے۔

تفسیر الجواھر

یہ تفسیر طنطاوی شیخ بن جوہری المصری کی ہے جنہیں الاستاذ الحکیم اور الفیلسوف الاسلامی کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مصر کے صوبہ الشرقیہ کے ایک گاؤں " قریة عوض اللہ حجازی میں ۱۲۸۷ھ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔

دیہات کے ایک دینی گھرانے کا چشم و چراغ ہونے کی حیثیت سے ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز بھی دینی انداز میں ہوا اور انہیں جامع الازہر میں داخل کرا دیا گیا شیخ طنطاوی چونکہ طبعاً جدید سائنسی علوم کا میلان لے کر پیدا ہوئے تھے اس لئے کچھ عرصہ تک جامع الازہر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جدید طرز کے ایک سرکاری مدرسے میں داخل ہو گئے۔ جہاں انہوں نے علوم متداولہ کے علاوہ انگریزی زبان (ENGLISH LANGUAGE) میں مہارت پیدا کی تاکہ براہِ راست سائنسی علوم (SCIENTIFIC KNOWLEDGE) اور جدید آداب MODERN LITERATURE کا مطالعہ کر سکیں۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ طنطاوی نے عملی زندگی (PRACTICAL LIFE) میں قدم رکھا۔ اور مصر کے ایک پرائمری سکول میں مدرس ہو گئے۔ بعدازاں مصری معلمین کی مشہور تربیتی درسگاہ مدرسہ " دارالعلوم" میں تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس زمانے میں مصر کی واحد سرکاری یونیورسٹی الجامعة المصریہ" میں بطور لیکچرار بھی کام کیا۔

شیخ طنطاوی نے تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ مصر کی سیاسی اور ثقافتی ترقی میں بھی حصہ لیا۔ اپنی قوم کو بیدار کرنے اور ترقی کے میدان میں صیح راہنمائی کرنے کے لئے اُنھوں نے مصر کے مختلف مجلات اور جرائد میں مقالے لکھے۔ اُن کی ایک کتاب "نهضة الامة وحياتها" اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

شیخ طنطاوی کی تصانیف :

شیخ طنطاوی جوہری زندگی کے آخری دور میں ہمہ تن تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ اس دور میں اُنھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :

(۱) جواہر العلوم	(۲) النظام والاسلام
(۳) الزهرة	(۴) نظام العالم والامم
(۵) الارواح	(۶) این الانسان
(۷) اصل العالم	(۸) جمال العلم
(۹) الحكمة والحكماء	(۱۰) سوانح الجوهری
(۱۱) میزان الجواهر	(۱۲) فی عجائب الکون

(۱۳) الفرائد الجواهریہ فی الطرق النحویہ

(۱۴) الموسیقی العربیۃ

(۱۵) مذاکرات فی ادبیات اللغۃ العربیۃ۔

کچھ تفسیر کے بارے میں :

شیخ جوہری کی ان تصانیف پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ جدید علوم اور سائنسی انکشافات سے بے حد متاثر تھے۔ اور انہوں نے قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات میں بھی یہی کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے وہ اپنی فطرت اور طبعی میلان کے باعث ایک پیدائشی فلسفی اور حکیم تھے۔ وہ اپنی تفسیر کا آغاز ہی اس جملہ سے کرتے ہیں۔

" فَاِنِّیْ خُلِقْتُ مُغْرَمًا بِالْعَجَائِبِ الْكَوْنِيَّةِ مُعْجَبًا بِالْبَدَائِعِ الطَّبْعِيَّةِ۔

کرہیں پیدائشی طور پر عجائب کائنات کا عاشق اور فطرت کی انوکھی باتوں کو
پسند کرنے والا ہوں ۔
غالباً یہی وجہ ہے کہ طنطاوی اپنی تفسیر میں ایک نیا اور انوکھا اسلوب اختیار
کرتے ہیں جو قدیم وجدید ادوار کے تمام مفسرین کے اسالیب سے بالکل مختلف ہے
انہوں نے آیات قرآنیہ کی لفظی تشریح میں سائنس، اقتصادیات اور علمی تحقیقات سے
پوری طرح فائدہ اٹھایا ہے۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی

"اس تفسیر کی تالیف سے انہوں نے زمانہ جدید کے
علوم عصریہ کے مقابلہ میں وہی خدمت انجام دی ہے جو
آج سے آٹھ سو برس بیشتر امام فخرالدین رازی نے قدیم
یونانی علوم کے مقابلہ میں انجام دی ہے اس لئے شیخ
طنطاوی کی تفسیر چودھویں صدی ہجری کی تفسیر کبیر ہے"

صاحب مناہل العرفان کہتے ہیں :

"اور تفسیر الجواہر مصنفہ علامہ شیخ طنطاوی جوہری مرحوم (متوفی ۱۳۶۰ھ) علوم
سائنس سے بھری ہوئی ہے اور وہ ایک جدید تفسیر ہے جو اس کے مؤلف کے قول کے
مطابق کائنات کے عجائب و نوادر اور کھلی کھلی نشانیوں پر مشتمل ہے اور جو مصر میں ۱۳۵۲ھ
میں ۲۵ جلدوں پر مشتمل طبع ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف پر رحم فرمائے اور انہیں
جزائے خیر دے"

بعض کا کہنا ہے کہ

"یہ زمانہ حال کے عالم علامہ طنطاوی جوہری کی تصنیف ہے مصنف نے اپنی
اس تفسیر میں عام تفسیری مباحث کو مختصراً لیا ہے اور ایسے مسائل پر جو زمانہ حاضر سے
تعلق رکھتے ہیں تفصیلاً بحث کی ہے لیکن انہوں نے پوری ذہنی طاقت زمانہ عصر کے
ترقی یافتہ سائنسی علوم پر صرف کی ہے۔ انسانی جسم اس کی ساخت اور باریکیوں نباتات
اُن کی مختلف اقسام اور سائنس کے دوسرے شعبوں کی بنیادی معلومات کو انہوں
نے سائنس کی کتابوں میں لکھنے کی بجائے تفسیر قرآن میں لکھ دیا ہے ورنہ اِن مضامین
کا تعلق تفسیر سے ہرگز نہیں ہے۔

بہرحال مصنف کی کاوش کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ پرانی درس گاہوں کے تعلیم یافتہ علماء کے سامنے جدید علوم کے خاکے آجاتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید نہ سائنس کی کتاب ہے۔ اور نہ طبعیات اس کا موضوع بحث ہے۔"

تفسیر جواہر کی عدم مقبولیت : شیخ مراغی (اور اسی طرح رشید رضا مصری بھی) ایک کتاب کی تقریظ (APPRECIATION) میں اس قسم کے طریق تفسیر کو ناپسند فرماتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اس تفسیر کو مقبولیت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اکثر علماء نے اس پر ملامت کی ہے جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ تفسیر غیر مقبول ہے۔

سعودی حکومت کی پابندی : سعودی حکومت نے اس تفسیر کو اپنے ملک میں داخل ہونے پر پابندی لگادی تھی۔

خصوصیات : ۱۔ قرآنی آیات کی مختصر لفظی تفسیر کے بعد مختلف ابحاث علمیہ مشہورہ میں داخل ہوجاتے ہیں جن کو مصنف لطائف و جواہر کا نام دیتا ہے۔

۲۔ یہ تفسیر سائنسی علوم، علومِ کونیہ اور طبعی معلومات سے بھری پڑی ہے۔

المنار

یہ تفسیر علامہ رشید رضا کی مرتب کردہ ہے۔ محمد رشید رضا شام کے علاقہ طرابلس میں پیدا ہوئے اور وہاں کے مشائخ اور علماء سے علم حاصل کیا اور لوگوں میں تعلیم و تعلم اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی دوران اُن کے ہاتھ ایک رسالہ آیا جو "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے موسوم تھا جس کے ایڈیٹر جمال الدین افغانی اور اُن کے شاگرد مفتی محمد عبدہٗ تھے۔ شیخ رشید نے جب یہ رسالہ پڑھا تو اُسے اِن دونوں مردوں پر بڑا تعجب ہوا۔ اُنہوں نے جمال الدین افغانی سے ملاقات کی رغبت کی لیکن ملاقات نہ ہوسکی پھر مفتی محمد عبدہٗ سے ملنے کی آرزو

ہوئی تو کامیاب ہوگئے ۔ اور ۱۳۱۵ھ میں شیخ سے منسلک ہوگئے ۔ اور اُن سے گذارش کی کہ جریدہ العروۃ الوثقٰی کے طرز پر ایک تفسیر بھی لکھیں ۔ بالآخر یہ طے پایا کہ شیخ مفتی محمد عبدہٗ جامع ازہر میں درس تفسیر دیں ۔

شیخ رشید لوگوں کو اس درس کی پابندی اور ضبط کرنے کی تلقین کرتے تھے اور درس میں جو کچھ سنتے لکھ لیتے تھے اور اس کو اپنے مجلہ المنار میں شائع کر دیتے تھے اس لئے یہ اصلاً مفتی عبدہٗ کی تصنیف ہے ۔

شیخ رشید اپنے استاد کے علوم کا اوّل وارث ہے کیونکہ اُس نے اُن کی حین حیات میں اُن سے جو کچھ حاصل کیا تھا تحریر کیا اور اُن کے طرز و انداز سے سرمو نہ ہٹے ۔ اسی لئے شیخ رشید اپنے استاد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے ۔

"صاحب المنار ترجمان افکاری"

کچھ تفسیر کے بارے میں :

اس تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کہتے ہیں

"مصر کے علامہ محمد عبدہٗ اور اُن کے شاگرد علامہ رشید رضا کی مصر میں اُن کی اصلاحی اور سیاسی مساعی بڑی قابل قدر ہیں اور آخر الذکر تو سلفیت کے بھی شیدا معلوم ہوتے ہیں ۔ لیکن فلسفہ جدیدہ اور اس کے شاگردوں (مستشرقین وغیرہم) سے شدید طور پر متاثر ہیں اور افسوس کہ ان کی تفسیر "المنار" کافی حد تک مفید ہونے کے باوجود صحابہ و تابعین و ائمہ سلف کے مسلک سے ناآشناؤں کے لئے مضر بھی ہے ۔ مسئلہ حیات مسیح ، احادیثِ دجال پر تنقید ، سود کی بحث ، طیر ابابیل کی تفسیر وغیرہ ان امور میں فلسفۂ حاضرہ سے شعوری یا غیر شعوری تاثر کی وجہ سے ان کے قلم سے حق کے خلاف سرزد ہوگیا ہے عفا اللہ عنا وعنھم ۔ اور یہ بات واقعہ کے سراسر خلاف ہے (جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے) کہ تفسیر المنار امام ابن جریر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے طرز تفسیر پر ہے ۔

اسی قسم کا خدشہ کا اظہار مصر ہی کے ایک اہل حدیث عالم علامہ محمد منیر دمشقیؒ نے بھی فرمایا ہے ۔ جو علامہ محمد عبدہٗ کے مدرسہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور دونوں (استاد ۔ شاگرد) کے مداح بھی ہیں ۔ تفسیر مذکور کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ۔

"فَتَحَ بِغَيْرِهِ بَاباً وَاسِعاً مِنْ مُلْحِدِي زَمَانِنَا فِي ذٰلِكَ وَهٰذَا الشَّنَنُ الْغَيْرُ الْمَشْرُوعَةُ"

یعنی ہمارے زمانے کے ملحدین کے لئے اس تفسیر نے (تاویل و تحریف کا) دروازہ کھول دیا ہے اور یہ نامناسب طریقہ ہے"۔

نامکمل تفسیر: یہ تفسیر نامکمل ہے ابتداء سے لے کر سورۂ یوسف کی اس آیت رب قد آتیتنی من الملک الآیۃ تک تفسیر لکھی پھر انتقال ہوگیا۔ اس تفسیر کا نام "تفسیر القرآن الحکیم" ہے۔ جو المنار کے نام سے مشہور ہے۔

تفسیر کا انداز تحریر: قرآن پاک کے بعض حصوں کی بعض سے تفسیر کرتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے (جنہیں صحیح سمجھتا ہے) تفسیر کرتا ہے پھر صحابہؓ اور تابعین کے آثار اور لغت عرب سے امداد لیتا ہے۔ اُن کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ قرآن کی آیت کی تفسیر لکھنے کے بعد ہی کسی تفسیر کی طرف مراجعت کرتے تھے اس بنا پر کہ مفسرین کا قول میرے ذہن پر اثر نہ کر جائے پھر عقل سے کام لیتے ہوئے تفسیر کرتے ہیں۔

یہ تفسیر دراصل تحریک احیاء اسلام کی طویل کڑیوں میں سے اہم کڑی ہے۔ اور دور حاضر کے مسائل اور علوم کو سامنے رکھ کر راہ اعتدال کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک جگہ پر خود فرماتے ہیں۔

اِنَّ قَصْدَنَا مِنَ التَّفْسِيرِ بَيَانُ مَعْنَى الْقُرْآنِ وَطُرُقُ الْإِهْتِدَاءِ بِهِ فِي هٰذَا الزَّمَانِ

اس تفسیر سے ہمارا مقصد قرآن کے معنیٰ بیان کرنا اور اس دور میں قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے طریقوں سے آگاہ کرنا ہے۔

اُن کا انداز تفسیر بالکل وہی ہے جو اُن کے اُستاد کا ہے لیکن خود کہتے ہیں کہ میں اُن کی وفات کے بعد اُن کے طریقے سے ہٹ گیا۔ اُن کی آراء بھی وہی ہیں جو اُن کے شیخ کی تھیں اس لئے قرآن کی اس تفسیر میں عجیب وغریب افکار (IDEAS) پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ کبیرہ گناہ کے مرتکب مثلاً سود خور

(USURER) کے بارے جو آیت آتی ہے ومن عاد فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون

اس میں اہل سنت کی مخالفت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب (جبکہ وہ کبیرہ سود یا قتل عمد کے درجہ میں ہو) بغیر توبہ کئے مرجائے تو مخلد فی النار ہوگا۔

مجاز اور تشبیہ کا استعمال: نصوص کے ظاہری معنیٰ سے روگردانی کرکے مجاز اور تشبیہ کی طرف کلام کو لے جاتے ہیں اور اس معاملہ میں بھی شیخ کی تقلید کرتے ہیں اور یہی طریقہ معتزلہ اور زمخشری وغیرہ کا ہے۔

سحر اور شیطان کے بارے رائے: سحر کے متعلق کہتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ اہل سنت والجماعۃ کے مسلک کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ کہتا ہے کہ شیاطین سوائے گمراہ کرنے کے انسان پر کوئی تسلط نہیں رکھتے اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ اُن پر شیطان نے تسلط جمایا ہے یہ سب جھوٹ ہے۔

جنوں کے متعلق خیال: کہتے ہیں جنوں کے متعلق متکلمین کا قول ہے ان الجن اجسام حیۃ خفیۃ لاترٰی اس لئے جن نظر آسکتے اور بعض لوگ جو کہتے ہیں ہم نے جن دیکھے ہیں تو شاید وہ کسی عجیب قسم کے بندر کو دیکھ کر یا عجیب حیوان کا نظارہ کرکے کہہ دیتے ہوں بلکہ ہو سکتا ہے وہ میکروبات (BACTERIUMS) ہوں۔

معجزات کے متعلق عقیدہ: اسی طرح معجزہ کے بارے کہتا ہے۔ اِنَّہٗ لَا مُعْجِزَۃَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ غَیْرُ الْقُرآنِ

یعنی "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں ہے" اور باقی معجزات کی تاویل کردیتا ہے۔

مفسرین پر حملہ: اکثر قدماء مفسرین کا تعاقب کرتا ہے۔ خاص کر امام فخرالدین رازیؒ کا اسی طرح متبدعین کا تعاقب کرتا ہے۔

مبہمات قرآن کی شرح: قرآن پاک کی تفسیر جو مفسرین اسرائیلیات سے کر گئے ہیں۔ وہ اُن پر سخت گیری کرتا ہے اور اُن پر الزام لگاتا ہے، لیکن خود مبہمات قرآن کی تفسیر میں اس بات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

تفسیر المراغی

یہ تفسیر استاد اکبر شیخ محمد مصطفیٰ المراغی کی تالیف کردہ ہے جو مفتی محمد عبدہٗ کے شاگرد رشید ہیں۔ محمد مصطفیٰ المراغی اپنے استاد کے مدرسہ میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے اور جب مدرسہ سے فارغ ہوئے تو اصلاح (REFORMATION) کے لئے ان کا دل پوری طرح مائل تھا۔ شیخ مراغی شیخ رشید کی طرح اپنے استاد کے پاس کثیر عرصہ تک نہیں رہے لیکن باوجود اس کے اس مدرسہ سے تجدید و اصلاح کا بڑا گہرا اثر حاصل کیا۔

شیخ مراغی کی تفسیر قرآن کے وہ درُوس (LECTURES) ہیں جو اُنہوں نے مختلف طبقات کے لوگوں کے سامنے دیئے ان طبقات میں بادشاہ، امیر، وزیر، شیخ کبیر، طلبا اور صوفی وغیرہ موجود ہوتے۔ اکثر ممالک میں اور خاص کر اسلامی ریاستوں میں یہ درس بہت مقبول ہوئے اور بالآخر طبع ہوئے۔

طریق تفسیر: شیخ مراغی قرآن پاک کی تفسیر کے لئے اُن آیات کا انتخاب کرتے ہیں جن میں اللہ کی قدرت کے دلائل اور اس کی عظمت کی نشانیاں پائی جاتی ہیں اور جن میں انسان کی ہدایت کے وسائل اور وعظ اور نصیحت کے قیمتی گوہر پائے جاتے ہیں۔

تفسیر کے مصادر: اپنے درسوں میں شیخ مراغی ایک ہی موضوع (TOPIC) کی آیات کو جمع کرتے تھے۔ تاکہ جس چیز کا ایک جگہ اجمال ہے اس کی دوسری جگہ تفسیر ہو جائے۔ اور جو چیز ایک جگہ مبہم (AMBIGUOUS

ہے دوسری جگہ واضح ہوجائے ۔ یعنی تفسیر قرآن ، قرآن کے ساتھ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح روایتوں کا سہارا لیتے ہیں ۔ اور صحابہؓ و تابعینؒ یعنی سلف صالحین کے بیان پر بھروسہ کرتا ہے ۔ لغت کے اسالیب کو لیتا ہے اور کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تفصیل بیان کرتا ہے اور جو چیز قدماء مفسرین لکھ گئے ہیں اُن کا سہارا لیتا ہے ۔ ان تمام مصادر پر نظر رکھتا ہے ۔ ان تمام مصادر پر نظر رکھتے ہوئے جو چیز اُس کے قلب و دماغ پر طاری ہو یا پسند ہو اس کا اقرار کرتا ہے اور جس چیز سے مطمئن نہ ہو اُس سے روگردانی کرتا ہے ۔ لیکن دوسرے مفسرین کی طرح قدماء مفسرین کو ہدفِ تنقید نہیں بناتا ۔

مبہمات قرآن کے بارے مؤقف : شیخ مراغی اپنے شیخ کی طرح مبہمات قرآن کو بالتفصیل بیان نہیں کرتے اور نہ ہی اُن جزئیات میں دخل اندازی کرتے ہیں جن میں قرآن و حدیث ساکت ہیں ۔ اسی لئے موضوع ، ضعیف اور اسرائیلی روایات کو زیادہ بیان نہیں کرتے بلکہ اُلٹا ان کی تردید کرتے ہیں مثلاً

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ الآیۃ

کے بارے کہتا ہے " لوگوں نے لقمان کے بارے اختلاف کیا ہے کہ وہ کون تھا ؟ اور کن امتوں سے تعلق رکھتا تھا ؟ کہا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھا ۔ اور یہ بھی قول ہے کہ وہ حبشی غلام تھا ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مصر کے سیاہ فام لوگوں میں سے تھا ۔ اور ایک روایت کے مُطابق وہ یونانی ہے اور بعض لوگوں نے اسے بڑھئی (CRRPENTER) بتلایا ہے اور بعض نے اُسے بکریوں کا چرواہا بنا دیا ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ حکیم تھا ۔ کہتے ہیں

" کل ھذہ اقوال لیس لھا سند یعول علیہ " یہ تمام اقوال ایسے ہیں جن کی کوئی قابل اعتماد سند نہیں ہے ۔

اسرار شرعیہ کا اظہار : تشریع اسلامی کے بھیدوں SECRETS کو ظاہر کرنے کا بہت اہتمام کیا گیا ہے اور تکلیف الہی کی حکمتوں کو بیان کیا گیا ہے تاکہ اسلام کے محاسن ظاہر ہوں اور اُس کی ہدایت عوام الناس پر واضح ہوجائے جیسا کہ روزہ اور اُس کی حکمت ، خوب بحث کی ہے

اجتماعی مشکلات کا علاج: شیخ مراغی اپنی تفسیر میں اُن اسباب کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اسلامی حکومتوں کے زوال کا باعث ہیں اور اجتماعی مشکلات کو بیان کرکے اُن کے ازالہ کی تدابیر پیش کرتا ہے۔

تفسیر میں رائے کی آزادی: مدرسہ کے دوسرے اساتذہ کی طرح آئمہ کے اقوال کے ساتھ مقید نہیں ہوتا نہ ہی کسی مخصوص مذہب کو اختیار کرتے ہیں۔ کسی معین رائے کے قائل بھی نظر نہیں آتے بلکہ جو چیز پسند آئے اور جسے حق سمجھتے ہیں بیان کردیتے ہیں۔

فی ظلال القرآن

اس تفسیر کے مصنف الاخوان المسلمون کے مشہور رہنما سید قطب ہیں جو ۱۹۰۶ء میں مصر کے ایک صوبہ سیوط کے موشا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے والد کا نام حاجی قطب الدین اور والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان۔ دونوں عربی النسل تھے۔ سید قطب نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ اور اسی عمر میں اُن کو قرآن پاک سے خصوصی لگاؤ ہوگیا تھا۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی۔ ثانوی تعلیم "تجہیزیۃ دارالعلوم" نامی سکول میں ہوئی۔ جہاں ابتدائی سکول کے فارغ طلبار کو دارالعلوم قاہرہ میں داخلہ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں قاہرہ کراس کالج میں داخلہ کیا اور ۱۹۳۳ء میں یہاں سے بی۔اے کی ڈگری ڈپلوما ان ایجوکیشن (DIPLOMA IN EDUCATION) حاصل کیا۔

تعلیم سے فارغ ہوکر وزارت تعلیم میں ملازمت حاصل کرلی اور انسپکٹر آف اسکولس (INSPECTOR OF SCHOOLS) کی حیثیت سے ۱۹۵۲ء تک ملازم رہے ۱۹۴۹ء میں وزارت کی جانب سے طریقہ تعلیم اور نظام تربیت کے مطالعہ کے لئے امریکہ گئے اور دو سال قیام کرکے ۱۹۵۰ء میں واپس آگئے۔ امریکہ سے واپسی پر ایک کتاب "امریکہ التی رأیت" میں اپنے تاثرات پیش کئے۔

تصنیفات: سید قطب کی تصنیفات بہ[illegible] اہم تصنیفات حسب ذیل ہیں: فی ظلال القرآن۔ ال[illegible] [illegible]الفنی فی القرآن۔ مشاہد القیامۃ

فی القرآن۔ معرکۃ الاسلام والراسمالیہ۔ العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام وغیرہ ہیں۔

فی ظلال القرآن : الاخوان المسلمون کے پہلی بار خلاف قانون قرار دیئے جانے کے ساتھ سید قطب کو بھی ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے اپنی کئی تصانیف پر جیل ہی میں نظر ثانی کی۔ اور فی ظلال القرآن نامی تفسیر بھی جیل ہی میں مکمل کی ہے۔

"یہ تفسیر تیس جلدوں میں علیحدہ شائع ہوئی ہے۔ یہ اصلاحی معنیٰ میں کوئی تفسیر نہیں مصنف نے وہ تاثرات قلمبند کر دیئے ہیں جو مطالعہ قرآن کے دوران اُس پر طاری ہوئے۔ مصنف کے نزدیک اُس کے ہمعصروں کے لئے اپنے ہی جیسے ایک "جدید" ذہن کے ان تاثرات کا مطالعہ ایک مخصوص افادیت کا حامی ہے۔ ہمارا مطالعہ مصنف کی اس رائے کی تائید کرتا ہے۔ تفسیر میں جذباتی اپیل اور دعوتی اسلوب نمایاں ہے۔ قرآن کریم کے فنی محاسن کی بھی نشاندھی کی گئی ہے۔ تفسیر کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا فارسی ترجمہ "در سایۂ قرآن" کے نام سے شائع ہوا ہے۔" (اسلام کا نظام عدل ص۱۳)

بعض کا کہنا ہے کہ "اس تفسیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ سراسر دعوتِ عمل ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے سے اسلام اور ایمان ٹپکتا ہے پوری کتاب میں تجدد پسندی، سقیم تاویلات اور معذرت خواہانہ انداز بیان کا نام ونشان نہیں ہے۔ اور جدید تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود مغرب کے مادی تصور حیات کے سخت دشمن ہیں۔ اور دلنشین انداز میں دنیا کی بے ثباتی بیان فرماتے ہیں۔ کتاب کا اسلوب بیان، طرز ترتیب اور نقطۂ نظر بالکل نیا ہے اور اس بارے میں انہوں نے سابقہ تفسیروں میں سے کسی کی تقلید نہیں کی۔"

مولانا افتخار احمد بلخی اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "علامہ سید قطب شہید ۱۳۸۶ھ کی دس ضخیم جلدوں پر مشتمل وہ معرکۃ الآراء تفسیر ہے۔ جس میں ایک طرف تو دورِ حاضر کے تمدنی مسائل کا تجزیہ کر کے اُن مفاسد کی نشاندہی کی گئی ہے جو اس دَور کا خاصہ ہیں اور دوسری طرف دورِ جدید کی معاشیات وسیاسیات کے اُن کانٹوں کو دکھایا گیا ہے۔ جن کی چبھن اور خلش انسانیت کو بے چینی اور اضطراب میں مبتلا کئے ہوئے ہے

مزید برآں اُن کی یہ تالیف خالص علمی اور فنی نوعیت بلکہ تحریکی انداز رکھتی ہے جو بتاتی ہے کہ اس قرآن کے زیرِ سایہ " فی ظلال القرآن " آجانے میں انسانیت کے لئے سکون و راحت اور امن و سلامتی ہے ۔ کیونکہ صرف قرآن ہی ایسا ہمہ گیر نظام حیات دیتا ہے ۔ جس کے اختیار کرنے میں انسانیت کی سعادت ہے ۔"

تفسیر کے نمایاں پہلو

تفسیر " فی ظلال القرآن " چھ بنیادی خوبیوں کی حامل ہے ۔

(۱) بلند پایہ ادبی اسلوب، جس میں سید قطب اکثر قدیم مفسرین اور محدثین سے بھی بڑھ گئے ہیں ۔

(۲) تمام معروف تفاسیر سے انہوں نے استناد کیا ہے اور اُن سے اخذ کردہ معلومات کو اپنی تفسیر میں اس عالمانہ انداز سے سمو دیا ہے کہ یہ تفسیر ادبی مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ معلومات کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے ۔

(۳) اسرائیلیات سے یہ تفسیر مکمل طور پر خالی ہے ۔

(۴) معتزلہ و خوارج اور اشاعرہ و ماتریدیہ اور فقہ کے مختلف مکاتیب فکر کے نزاعات سے جو عام عربی تفسیروں کے اندر ملتے ہیں یہ تفسیر خالی ہے ۔

(۵) پوری جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ہر ہر بحث کو ادا کیا ہے اس کے بعد کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ۔

(۶) پوری تفسیر کے اندر ایک ایسی شفاف اور پاکیزہ روح جلوہ گر نظر آتی ہے ۔ جو یقین و اذعان کی دولت اور ایمان و عقیدہ کی گہرائی اور صبر و عزیمت کی نعمت سے لبریز ہے ۔ اس چیز نے تفسیر کو ایک متحرک زندگی اور رواں دواں اسلامی تحریک کی کتاب ہدایت کی شکل دے دی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا کے تمام علماء نے اس تفسیر کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے ۔ اور باوجودیکہ یہ مکمل طور پر چھپ چکی ہے اور مکتبوں سے بآسانی مل سکتی ہے مگر عرب ممالک کے اخبارات و رسائل اس سے مسلسل اپنے کالموں میں نقل کر رہے ہیں

تمت بالخیر

- گورنمنٹ اینڈ پولیٹکس ـــــ (ایم اے پولیٹیکل سائنس / سیاسیات)
- اسلام کا ضابطہ حیات ـــــ گیارہویں جماعت کے لئے
- کتابِ اسلامیات ـــــ بارہویں جماعت کے لئے
- عربی آپشنل ـــــ بی۔ اے
- آفتابِ اسلامیات آپشنل ـــــ بی۔ اے
- تشریح القرآن ـــــ بی۔ اے اوّل
- تاریخ تحریک پاکستان ـــــ بی۔ اے
- کمرشل انگلش ـــــ سی کام۔ ڈی کام
- معاون اُردو ـــــ سی کام
- اُردو قواعد و اِنشاء ـــــ ایف۔ اے انٹرمیڈیٹ
- شہریت اسلام ـــــ پولیٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ
- تعارف شہریت ـــــ حصہ اوّل
- تعارف شہریت ـــــ حصہ دوم

حق سنز رجسٹرڈ ـــــ ۲۸، اُردو بازار لاہور

نیا مرحلہ

تابعین کے آخری دور میں تفسیر ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی ہے۔ یہ مرحلہ تھا
البتہ تابعین کے آخری دور میں تفسیر ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی ہے۔
فکری الجھنوں کی چھان بین کرے اور شکوک و شبہات کی نوعیت کو پیش نظر رکھ کر اس انداز
سے قرآن کی تفہیم کا کہ فکری انتشار بلکہ آوارگی سے اذہان و قلوب کو محفوظ رکھا جائے۔
یہی وجہ ہے کہ تابعین کے اس آخری دور میں پوری تفسیر قرآن پر کم اور زیادہ تر خاص
خاص مختلف موضوعات پر تالیف کا سراغ ملتا ہے مثلاً کسی نے قرآن کے ناسخ و منسوخ
پر کوئی تالیف کی، کسی نے وجوہ و نظائر پر، کسی نے احکام القرآن پر اور کسی نے قرآن کے مشکل
مقامات اور غریب الفاظ کی تشریح و توضیح کے لیے قلم اٹھایا۔ یہ دراصل بنیاد پڑ رہی تھی۔
علوم قرآن کی اور تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مختلف نقطۂ نظر سے قرآنی تفاسیر تالیف کیے
جانے کی۔ مثلاً آثار و روایات کے لحاظ سے، لغت و بلاغت کے لحاظ سے، عقلی زاویۂ
نگاہ سے، طبعی اور معاشرتی علوم کے نقطۂ نظر سے وغیرہ وغیرہ۔

عہد تابعین کے تفسیری مراکز۔

اس زمانہ میں علم اور خصوصاً دینی علم مسجدوں میں پڑھایا جاتا تھا استاد مسجد میں بیٹھ جاتا
تھا اور اس کے شاگرد ایک حلقے کی شکل میں اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے استاد کی قدر و عظمت
کے بموجب یہ حلقہ بڑا بھی ہوتا تھا اور چھوٹا بھی۔ چند مشہور مدارس حسب ذیل ہیں۔

مدینہ کا مدرسہ : مدینہ کے مدرسین میں سے امتیازی شہرت کے حامل صحابہ حضرت عمرؓ
حضرت علیؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمرؓ ہیں ان سب میں
حضرت زید تفسیر کے لحاظ سے زیادہ مشہور ہیں حضرت حسانؓ نے ان کے انتقال پر ان کا مرثیہ کہا
تھا جس میں وہ کہتے ہیں فَمَنْ لِلقَوافِی بَعْدَ حَسَّانَ وَابْنِهِ
وَمَنْ لِلْمَعَانِی بَعْدَ زَیدِ بْنِ ثَابِتٍ

مدینہ منورہ کا مدرسہ علم کی کثرت اور دور دراز شہرت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔
اس زمانے کے اکثر علماء نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں یہیں تحصیل علم فرمائی۔ یہاں
کے علماء سے علم حاصل کرنے کے لیے دور دور سے طالبان علم آتے تھے۔ " تفسیر میں
زید بن اسلمؒ فوقیت رکھتے تھے امام مالکؒ نے انہی زید بن اسلمؒ سے تفسیر لی ہے نیز ان کے

نے عبدالرحمن نے اور عبداللہ بن وہب نے بھی"

(الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ مطبوعہ قاہرہ)

مکہ کا مدرسہ: مکہ مکرمہ میں اپنے آخری زمانہ میں عبداللہ بن عباسؓ نے بھی تعلیم دی تھی۔ اس سے پہلے ابن عباسؓ بصرہ میں تعلیم دیتے رہے اور مدینہ میں بھی تعلیم دیتے رہے لیکن جب عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو ابن عباسؓ مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں تعلیم دینا شروع کردی آپ مسجد حرام میں بیٹھ جاتے اور تفسیر حدیث فقہ اور ادب و لٹریچر کی تعلیم دیا کرتے تھے مدرسہ مکہ کو جو کچھ علمی شہرت حاصل ہوئی اس میں ابن عباس اور ان کے شاگردوں کا واحد حصہ ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "علم تفسیر میں اہل مکہ سب سے بڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ اصحاب عبداللہ بن عباسؓ ہیں جیسے مجاہد، عطا ابن ابی رباحؒ اور عکرمہؒ موالی ابن عباسؓ طاؤس، ابوالشعثا، سعید بن جبیرؒ وغیرہ۔ (اصول تفسیر صفحہ ۱۴)

کوفہ کا مدرسہ: حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں معلم بنا کر بھیجا تھا چنانچہ اکثر کوفہ والوں نے آپؓ سے اکتساب علم کیا۔

جو حضرات ان سے علم و ادب کا اکتساب کرتے رہے۔ اُن کے بارے میں سعید بن جبیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ کے شاگرد اس شہر کے چراغ ہیں (آپ لوگوں کو قرآن اور قرآن کی تفسیر کی تعلیم دیا کرتے تھے) ان کے خاص جانشین حسب ذیل ہیں۔ علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، حارث بن قیس اور عمر بن شرجیل یہ چھ آدمی زیادہ مشہور ہوئے جو لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے اور فتویٰ دیتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ کوفیوں نے اور صحابہ سے بھی علم حاصل کیا تھا ان وجوہات کی بنا پر کوفہ میں علمی حرکت کی ایک بڑی فضا پیدا ہوگئی تھی چنانچہ کوفہ کے علماء میں سے یہ حضرات شہرت دوام کے مالک ہیں شریحؒ، شعبیؒ، نخعیؒ اور سعید بن جبیرؒ وغیرہ۔

اس زمانہ میں بیشتر ایک ہی ذات مختلف علوم کی جامع ہوتی تھی مثلاً اکثر فضلا کے صحابہؓ و تابعینؒ بیک وقت مفسر بھی تھے۔ محدث بھی اور فقیہ بھی۔ اسی لئے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کوفے میں عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب کو تفسیر میں دوسروں پر فوقیت